ماھنامہ

حکمت بالغہ

مئی2007

مدیر:انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ الرحمٰن

سورۃ الرحمٰن صوتی حسن اور لفظی ہم آہنگی کے اعتبار سے قرآن مجید کی چند منفرد سورتوں میں سے ایک ہے جس کے مضامین میں اللہ تعالیٰ جو ''الرحمٰن'' ہے کی رفعت وجلالت شان کا پروقار انداز میں تذکرہ ہے جو انسان کی اندرونی شخصیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ دوسری بااختیار مخلوق جنّوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ حاصل یہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نہ صرف انسانوں کی طرف پیغمبر تھے بلکہ جنوں کی طرف بھی تھے (اور شاید سابقہ پیغمبر علیہم السلام بھی اسی طرح کی حیثیتوں کے حامل تھے)۔

ایک آیت فبای الآء ربکما تکذبٰن کا 31 مرتبہ تذکرہ ہے جس نے اس سورۃ کے آہنگ اور ادبیت کو بہت بلند مقام پر پہنچادیا ہے اس سورۃ کا صوتی آہنگ اور ادبی حسن مل کر واقعتاً لطیف ادبی ذوق اور اعلیٰ انسانی اقدار کو جلا بخشنے والا ہے اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے اس سورۃ کو عروس القرآن '' قرآن کی دلہن'' کہا گیا ہے۔

لکل شیء عروس و عروس القرآن الرحمٰن (بیہقی عن علیؓ)

قرآن مجید کے ادبی محاسن اور کلام کی عظمت کا اندازہ بغیر سمجھے پڑھنے میں تو عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ سمجھ کر اور توجہ سے اچھی آواز میں قرآن سنا جائے تو انسان کی ''روح'' پھڑک اٹھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے کلام کی عظمت انسان کے قلب پر پیوستہ ہو جاتی ہے۔ بقول جگر مراد آبادی۔ ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو　　　روح سنے اور روح سنائے

اس شمارے سے سورۃ الرحمٰن کے ترجمے کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلرَّحمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○

خدا جو نہایت مہربان۔ اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی

خَلَقَ الاِنْسَانَ ○ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ○

اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بولنا سکھایا

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○

سورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ○

اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں

وَالسَّمَآءَ رَفَعَھَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ○

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ○

کہ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ○

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ اور تول کم مت کرو

وَالْاَرْضَ وَضَعَھَا لِلْاَنَامِ ○

اور اسی نے خلقت کے لئے زمین بچھائی

فِیْھَا فَاکِھَۃٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَکْمَامِ ○

اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جنکے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں

وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ○

اور اناج جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۝

اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا

وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۝

اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

رَبُّ الۡمَشۡرِقَیۡنِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبَیۡنِ ۝

وہی دونوں مشرقوں اور مغربوں کا مالک (ہے)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیٰنِ ۝

اسی نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں

بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ ۝

دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ۝

دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

وَلَهُ الۡجَوَارِ الۡمُنۡشَئٰتُ فِی الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ۝

اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ٥

تو (اے گروہ جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

حرف آرزو

ایک صدی قبل کے برطانوی ہند(British India)میں امت مسلمہ نے جو زعمائے ملت اور نابغۂ عصر شخصیات پیدا کیں ان میں علوم جدیدہ وعلوم اسلامیہ کے بیک وقت ماہرین میں علامہ اقبال کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔انہوں نے اپنی ملی شاعری کے ذریعے ملت اسلامیہ بالخصوص مسلمانان ہند کو بیدار کیا اور بے پناہ جذبۂ عمل پیدا کر دیا۔اس وقت کے برطانوی ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کی دل میں دبی ہوئی خواہش کو الفاظ کا جامہ پہنا کر دوقومی نظریہ اور پھر ایک آزاد خود مختار مسلمان ریاست کا تصور دینے والے بھی بلاشبہ علامہ اقبال ہی ہیں۔اسی لئے مفکر پاکستان اور مصور پاکستان کے الفاظ ایسے زبان زدعوام ہوئے کہ ان کی پہچان بن گئے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کے کاندھوں پر علامہ اقبال کا احسان ہے کہ انہیں کے دیئے ہوئے دوقومی نظریہ اور خطبہ الہٰ آباد میں نئی اسلامی ریاست کی تشکیل کے خواب کی تعبیر'پاکستان' کی کھلی اور آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔انہیں کا دوسرا احسان یہ ہے کہ انہوں نے خود محمد علی جناح (جو بعد میں قائداعظم کہلائے) کو بھی ڈھونڈ نکالا کہ وہ ہی مسلمانان ہند کی صحیح رہنمائی اور قیادت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔پھر ہم میں سے ہر شخص پر یہ حق قائداعظم کا بھی ہے کہ انہوں نے پاکستان کی جنگ لڑی اور مخالفتوں اور نامساعد حالات کے باوجود وہ جنگ جیت کر دکھادی اور پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

مزید برآں پاکستان کا ہر شہری ہر اس شخص کا بھی اخلاقاً ممنون احسان ہے۔جس نے بھی جس ممکن طریقے پر چھوٹی یا بڑی پاکستان کی کوئی خدمت کی ہے یا ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے ملک پاکستان کی بقاء استحکام کو تقویت ملی ہے یا دنیا میں اس کے عزت ووقار میں اضافہ ہوا ہے۔

آئندہ 14 اگست 2007 کو ان شاء اللہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ساٹھ سال کا عرصہ گذر جائے گا۔اور تقریباً دو نسلیں سامنے آ چکی ہیں جنہوں نے اس آزاد سرزمین پر آنکھ کھولی اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا۔اور ''جو کچھ بھی ہے'' عزت اور سرخروئی کے ساتھ دنیا میں اللہ تعالی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے رک کر سوچیں کہ اس ساٹھ سالہ سفر میں ملی اور ملکی سطح پر کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا ہوا؟ توقعات اور حقیقی زمینی سفر کی منزلوں کا ایک میزانیہ مرتب کرنے کی ضرورت ہے جس سے اندازہ ہوا کہ آج ہم اپنے نصب العین کے اعتبار سے کہاں کھڑے ہیں۔اور نظریاتی سطح پر پاکستان کس حد تک کامیابی کا سفر طے کر چکا ہے اور ابھی کتنا سفر باقی ہے۔

راقم سطور اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا کہ وہ اس میزانیہ کو ترتیب دینے کے کام میں ہاتھ ڈالے یہ کام بڑے عالی دماغوں اور اہل علم کا ہے کہ ملت اسلامیہ پاکستان کی طرف سے حاصل شدہ سہولتوں اور مراعات کے زیر سایہ ملت کے نفع نقصان کا حساب بھی لگائیں اور آئندہ بہتری کے لئے رہنمائی وقیادت کا فریضہ بھی سرانجام دیں۔

تاہم مسلمانان ہند کے ایک صدی کے سفر میں ایک پہلو پر اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

سلطنت خداداد پاکستان کا 14 اگست 47ء کو ماہ رمضان المبارک کی 27 ویں شب (جو کہ عام طور پر نزول قرآن کی شب ''لیلۃ القدر'' کہلاتی ہے) پھر شب جمعہ کو معرض وجود میں آنا بہت معنی خیز ہے، یہ واقعہ کئی تابناک بلندیاں اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے اسلام سے وابستگی اور نظریاتی ریاست کا تصور تو اس ملک کے Genises کا جزو لاینفک ہے اور شاید کھرچنے سے بھی تاریخ اور ذہنوں سے نہ کھرچا جا سکے۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست کے طور پر ابھرا تھا اور اس کے قیام واستحکام میں اسی نظریہ کی آبیاری اور تقویت کو 101 فی صد دخل حاصل ہے۔

علامہ اقبال کا حق تو یہ تھا کہ اس ملک کے نظریاتی خدوخال کی وضاحت وآرائش کے

لئے مفکّر ومصوّر پاکستان ہی کے خیالات اور کلام کو رہنما بنایا جاتا اور انہی کے عطا کردہ رہنما اصولوں کو اس نظریاتی ملک کی اساسی داخلہ اور خارجہ پالیسی کے ساتھ ساتھ تعلیمی پالیسی کا بھی مرکز ومحور اور HUB تسلیم کیا جاتا اور انہی کا مردمومن اور شاہین ہی اس ملک کے ہر مسلمان شہری کا آئیڈیل اور امنگوں کا مرکز بنتا۔ حالات شاہد ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکا اور ملک پاکستان نظریاتی طور پر بے لنگر کا جہاز بن گیا۔ ؎

اندھیری شب ہے اور جدا قافلے سے ہے تو
تیرے لئے شعلہ نوا ہے میری قندیل

---

14 اگست 47ء کو ملک کے منصۂ شہود پر آتے وقت کوئی خلا تو نہیں تھا تاہم جذبہ ملّی اور اسلام سے جذباتی لگاؤ اتنا شدید تھا اور گہرا تھا کہ بڑے بڑے معجزے رونما ہوئے اور ملک اپنی منزل کے طرف رواں دواں رہا۔ ہونا بھی یہی تھا اور واقعہ میں ایسا ہی ہوا کہ جذبہ آہستہ آہستہ سرد پڑا اور ہوتے ہوتے ختم ہونے کے قریب ہوگیا۔

اگر پاکستان بننے کے ساتھ ہی تعلیمی پالیسی اور یونیورسٹی کی تعلیم کے اہداف نظریہ پاکستان کیساتھ منسلک کر دیئے جاتے اور ٹیکنیکل اور فنی تعلیم کو پاکستان کی مستقبل کی ضروریات سے بھی جوڑ دیا جاتا تو اس نظام تعلیم سے فارغ ہونے والا ہر گریجوایٹ اور ماسٹرز ڈگری کا حامل نوجوان اور اعلیٰ تعلیم سے مزین ہر ماہر علامہ اقبال کا مردمؤمن اور شاہین بن کر نکلتا اور ملک وملت کی قسمت کو چار چاند لگاتا اور ہماری پالیسیوں اور فیصلوں اور حکومتوں کے ذریعے ہمارا نظریاتی تسلسل برقرار رہتا۔ ہاتھ بدلتے، رہنما بدلتے، ایک نسل کی جگہ دوسری نسل آتی مگر نظریاتی سفر کے صراط مستقیم میں سرِمُو انحراف نہ ہوتا یہ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا۔ اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نئ نسلیں کسی نظریاتی ہم آہنگی اور ملّی وحدت کے بندھن سے آزاد 'مکمل آزادی' اور 'مادر پدر آزادی' کا راگ الاپ رہی ہیں ہر اصول ہر پابندی اور ہر قدغن چاہے ملکی ہو یا اخلاقی، سماجی ہو اپنی مزعومہ آزادی کی راہ کی رکاوٹ سمجھ کر اس کو اپنے خوداختیار کردہ راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہیں۔

فکری انتشار کے ان حالات میں فکر اقبال کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے اور دیر آید درست آید یا 'دیر سے آنا کبھی نہ آنے سے بہتر ہے' کے مصداق اب آزادی کے 60 سال بعد بھی علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کی طرف رجوع کر لیا جائے تو فائدہ سے خالی نہیں۔

علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات ان کے کلام سے ظاہر ہیں ان کے بہت سے پرستاران اور 'IQBALIANS' نے اپنے الفاظ میں دور حاضر میں ایک اسلامی ریاست کے لئے اقبال کے تعلیمی نظریات کی اشاعت کی ہے ان میں ایک نمایاں شخصیت ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تھی (1903ء_69ء) جو اعلیٰ پائے کے ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ IDEAOLOGY OF FUTURE کے مصنف بھی تھے اور حکمت اقبال کے علمبردار بھی۔ مزید برآں ان کا علامہ اقبال کے سمجھنے والے ہم عصروں میں ایک بلند مقام بھی تھا جس کا مظہر یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اقبال اکاڈمی کے موسس اور ڈائریکٹر رہے۔

علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کی اشاعت ان کی زندگی کا مشن رہا 'اسلامک ایجوکیشن' کے نام سے ایک رسالہ جاری فرمایا جو 1966 تا 1969 ان کی وفات تک جاری رہا بعد ازاں اس رسالے کو ان کے قدردان اور مشنری جذبہ رکھنے والے دوست چوہدری مظفر حسین صاحب کئی سال تک اس کو جاری رکھے رہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے کئی مضامین ISLAMIC EDUCATION کی فائلوں میں محفوظ ہیں ان میں سے دو مضامین پہلے حکمت بالغہ کی زینت بن چکے ہیں۔ مزید بھی حسب ضرورت اور حسب موقع حکمت بالغہ میں شائع کرتے رہیں گے تاکہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کی آبیاری کے لئے دیگر ضروری کاموں اور مہمات کے علاوہ تعلیمی میدان میں اسلامی تعلیم کی داغ بیل ڈالی جا سکے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کے نزدیک اسلامی تعلیم سے مراد جدید تعلیم کو کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر خداشناس بنانا ہے۔ اس سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں صرف ایک اسلامیات کا مضمون لازمی یا اختیاری شامل کر دیا جائے بلکہ تمام سلیبس میں طلباء کے لئے ہر شعبہ زندگی کے متعلق کتب میں خدا کا تصور شامل کیا جائے اور اسی اللہ

کی صفات قدسیہ کا ایک تصور استاد اور شاگرد کے تعامل (INTERACTION) سے ذہن میں جاگزیں ہو اور اسلام ایک تعلیمی شعبہ نہیں بلکہ تمام معاملات زندگی میں رچا بسا نظر آئے اور تمام علوم میں ایمانیات اور توحید کے نظریات ایسے گندھے ہوئے (IN BUILT) محسوس ہوں کہ وہ غیر مرئی طور پر طلباء کا ذہنی اثاثہ بنتے چلے جائیں۔ یہ مضامین فلسفہ ہو یا نفسیات، معاشیات، ہو یا شماریات، تاریخ ہو یا جغرافیہ، سوشل سائنسز ہوں یا تکنیکی شعبے سائنس ہو یا انجینئرنگ، ارضی علوم یا فلکیاتی ہر شعبے میں خداشناسی کا بنیادی تصور ناگزیر حیثیت میں موجود رہنا چاہئے۔

ایسا نظام تعلیم صرف پاکستان جیسے نظریاتی ملک ہی کی ضرورت ہوسکتا ہے اور اس کی کوئی مثال یقیناً تمام عالم میں پہلے سے نہیں مل سکتی۔ پہلے سے تیار (READYMADE) یا ضرورت کے مطابق (CUT TO SIZE) قسم کی اصلاحات کے لئے دوسرے شعبے از قسم زراعت، تجارت اور صنعت وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ واحد شعبہ جس میں ہمیں خود آگے بڑھ کر اپنے لئے راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ اسلامی دنیا کا واحد نظریاتی ملک پاکستان ہے جس کا نظام تعلیم بھی نظریاتی ہی ہونا ضروری ہے جس کو اصولی طور پر ہمارے نظام تعلیم میں تعلیمی پالیسی کے طور پر اگرچہ بہت پہلے تسلیم کرلیا گیا تھا جو یہ ہے۔

مگر عملاً اس پر عملدرآمد اور اس کے FOLLOW UP اور مزید پیش رفت کے لئے مسلسل نگرانی کے مراحل سرے سے آئے ہی نہیں اس لئے کہ ہم نے اس سمت میں سفر کا آغاز ہی نہیں کیا ہمارے ماہرین تعلیم مغرب کی سیکولر ترقی کی تیز رفتاری سے اڑتی دھول ہی میں حیران و پریشان دکھائی دیتے ہیں۔

ع بوعلی اندر غبار ناقہ گم

جبکہ علامہ اقبال نے اپنے مرشد روم کی طرح!

ع دست رومی پردۂ محمل گرفت

کے مصداق بہت پہلے مغربی نظام کی جزئیات کو سمجھ کر اس کا علاج بھی تجویز کر دیا تھا۔

اس وقت ضروری ہے کہ پاکستان میں نظریاتی اثاثہ کے تحفظ کے لئے ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا جائے جس میں پرورش پاکر اور پروان چڑھ کر ہمارے فارغ التحصیل نوجوان (PASSING OUT YOUTHS) اقبال کے مردمؤمن اور شاہین ہوں اور اسلام کے سپاہی ہوں اسلام کے دور حاضر میں نمائندے ہوں اور قرآن وحدیث اور فروغ اسلام میں محکم اساسات کے سہارے کھڑے ہوں۔

اس نظریاتی تعلیمی نظام کے لئے سوچنا اور اس کے خدوخال وضع کرنا بھی ایک اہم مرحلہ ہے۔ اور ان محکم اساسات پر ایک یونیورسٹی کی تشکیل کرنا دوسرا مرحلہ ہے۔ جس کے تمام تعلیمی شعبے توحید، رسالت اور جہاد کے اصولوں پر استوار ہوں اور قرآن وسنت اور عقل وفکر کی جملہ صلاحیتوں کو ان کا اپنا حق دے سکیں تیسرے مرحلے میں ہر ضلع میں کم از کم ایک ہائی سکول اس نظام کے لئے مختص کیا جائے اور صوبے میں اندازاً ایک کروڑ آبادی پر ایک پوسٹ گریجویٹ کالج اس یونیورسٹی سے منسلک کر دیا جائے۔

اس پرائمری سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری لیول کے بعد گریجویٹ کی سطح کے جو جوان اس یونیورسٹی سے ملحق ہوں گے اور اس کے تعلیمی ماحول میں پروان چڑھیں گے وہ اس نظام تعلیم کا حاصل ہوں گے اور امید ہے کہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ اور اسلام کی چودہ صد سالہ روایات کے امین ہوں گے۔

اس قسم کے نظام تعلیم کے لئے اساتذہ بھی شاید پہلے سے بنے بنائے نہ مل سکیں انہیں خصوصی شارٹ کورسز (SHORT COURSES) سے گذارنا ہوگا اور ذہن سازی کرنا ہوگی تاکہ وہ منفرد قسم کے ایک اعلی نظام تعلیم کے ہراول دستہ بننے کے اہل ثابت ہوسکیں۔

اس نظام تعلیم میں نصاب تعلیم کا مرحلہ سب سے زیادہ کٹھن ہے اس لئے کہ آج کی دنیا میں اگرچہ علم نے بے حد ترقی کر لی اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے عام انسانوں کی دسترس میں بھی دنیا بھر کا علمی ورثہ موجود ہے مگر اس ورثے سے استفادہ سے پہلے ایک نظریاتی مسلمان کے ذہن کا جوتانا بانا اور تحقیقی سائنسی اور متوازن فکری مزاج ناگزیر ہے۔ وہ 'ظرف انسانی' بنانا اصل مرحلہ ہے۔ یہ ذہن ایک دفعہ بن جائے تو اس انسان کی سوچ صراط مستقیم پر ہوگی اور اس پر اعتبار کر کے آزاد چھوڑا جا سکے گا کہ وہ آئندہ زندگی میں جو بھی عقلی وفکری نتائج اخذ کرے گا وہ 'راہ حق' اور 'بیچ کی راہ' یا صراط مستقیم سے زیادہ بعید نہیں ہونگے۔

گویا مستقبل کے اسلامی تعلیمی نظام کے لئے پرائمری سے لیکر یونیورسٹی لیول تک اس مجوزہ یونیورسٹی کو اپنا نصاب تعلیم خود تجویز کرنا ہوگا۔ اس طرح کے منصوبہ سے ملتی جلتی کئی مثالیں ماضی قریب کے دور میں ڈھونڈی جاسکتی ہیں۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ پاکستان کے نظریاتی ملک ہونے کے ناطے مفکر پاکستان علامہ اقبال کی فکر سے ہم آہنگ ایک نیا اسلامی تعلیمی نظام بنانے کی ضرورت ہے اور چونکہ یکا یک پرانے نظام کو لپیٹ کر نیا نظام لے آنا نہ عقلمندی کا تقاضا ہے نہ ظروف واحوال کا۔

لہٰذا____ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ایجوکیشن یونیوسٹی کا چارٹر تشکیل دیا جائے۔ ویژن 2012ء کیلئے ایک یونیورسٹی جو دو سال کے لگ بھگ اپنے طریق کار، نصاب، سٹاف کی ٹریننگ، ضروری عمارات کے علاوہ ملکی اور عالمی سطح کے سیمیناروں کے ذریعے دیگر تعلیمی معاملات پر غور کر کے مناسب حد تک اتفاق رائے پیدا کرے۔ لگ بھگ دو سال بعد تعلیمی سرگرمیوں کے آغاز کے بعد سخت اور پیشہ ورانہ نگرانی میں ابتدائی Batches تیار کئے جائیں ان کے ذہن اور صلاحیتوں اور تعلیمی پالیسی کی کامیابی کے لئے Stict Evaluation کی جائے اور بہتری کے اقدامات کئے جاتے رہیں یہاں تک کہ اس تعلیمی نظام کی کامیابی کے بعد پورے ملک کا نظام تعلیم (2012 کے بعد دس سال کے اندر) اس نظریاتی اسلامی نظام یا اسلامی ایجوکیشن یونیوسٹی کے تحت کر دیا جائے تاکہ پچیس سال بعد اسلامک وژن 2032ء یا پاکستان وژن

2032ء میں پاکستان کی تمام درسگاہیں اقبال کے افکار کی جھلک دے رہی ہوں۔

اس تجویز کو قابل عمل بنانے کے لئے ایک بااختیار کمیشن کی تشکیل ناگزیر ہے جو آئندہ تعلیمی پالیسی اور مثالی اسلامی تعلیم کے لئے یونیورسٹی کی تشکیل اور اس کے چلانے کے نظام کو مانیٹر کرسکے گا۔ وماذالك علی اللہ بعزیز جیسے کہا جاتا ہے شادی کے بندھن (اور دیگر اہم معاملات کے فیصلے اصلاً تو) آسمان پر ہوتے ہیں زمین پر تو ہم اسے CELEBRATE کرتے ہیں یا اعلان کرتے ہیں۔ اسی طرح اس 'اسلامی تعلیم' کے خواب کی عملی تعبیر کے منصۂ شہود پر آنے کا اعلان کرنا بھی کس کا مقدر ہے۔ یہ بات ابھی پردہ غیب ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلامیان ہند کو پاکستان جیسی مملکت عطا فرمانے والا اللہ بزرگ و برتر نظریاتی اسلامی تعلیم کیلئے حالات کب سازگار فرماتے ہیں۔ حرف آرزو صرف یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی صاحب اختیار اس بات کی ضرورت کا احساس تو کرے مگر ماحول کی ناسازگاری کا بہانہ بنا کر اس کے اعلان کو مؤخر کرتا چلا جائے۔

علامہ اقبال نے غالباً ایسے ہی کسی موقع کے لئے یہ اشعار فرمائے ہیں کہ جب مستقبل کی اسلامی ریاست میں تمام درسگاہیں ایسے 'مردِ مؤمن' اور ایسے 'شاہین' ڈھال رہی ہوں گی جو عملی زندگی میں جا کر مختلف شعبہ ہائے زندگی میں حسن کردار اور حسن کارکردگی کے نمونے بن رہے ہوں گے۔

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود — پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آ سکتا نہیں — محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

خصوصیاتِ قرآن حکیم

____ پروفیسر یوسف سلیم چشتی (مرحوم) ____

کوئی شخص ایک نشست میں قرآن حکیم کی تمام خصوصیات بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے کم از کم چھ تقاریر لازمی ہیں۔

میں اس نشست میں چند خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

1۔ قرآن حکیم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے علاوہ دنیا کی کسی مذہبی یا الہامی کتاب کی اصلیت (Genuineness) یقینی اور با اعتبار ہونا (Authenticity) اور درستی راستی صحت تمامیت (Integrity) ثابت نہیں کی جا سکتی۔ یعنی۔ 1 نقلی یا جعلی نہیں ہے۔ 2 قابل اعتبار و اعتماد ہے۔ 3 مکمل ہے ناقص نہیں ہے۔ درحقیقت یہ وہی کتاب ہے جو آپؐ نے دنیا کو دی تھی۔ اس معاملے میں قول فیصل یہ ہے کہ ان تینوں خوبیوں پر غیر مسلموں نے گواہی دی ہے۔

(1- Muir, 2- T.P.Hughes, 3-Von Kreamer)۔

(2)۔ جناب مسیح نے اپنے شاگردوں یا پیروؤں کو کوئی کتاب نہیں دی۔ اسی لئے ان کے صعود کے بعد 133 اناجیل لکھی گئیں۔ دعا کی گئی کہ اصلی اوپر رہ جائیں نقلی نیچے گر پڑیں۔ ایک ہزار سال تک مذہبی مجالس منعقد ہوتی رہیں کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی۔

(3)۔ جب Nabucadnazar نے یورشلم کو تباہ کیا تو اصلی توریت بھی جل گئی۔ عزرا (عزیر) نے لکھی۔ وہ نیرو کے عہد میں جلا دی گئی۔

(4)۔ جناب بدھ نے کوئی کتاب نہیں دی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے پیروؤں نے ان کے

اقوال قلمبند کئے۔ ان کی صحت کے بارے میں ایک ہزار سال تک مذہبی مجالس منعقد ہوتی رہیں۔ لیکن یقین حاصل نہ ہو سکا۔

(5)۔ زرتشت کی کتاب ژند زبان میں تھی۔ زبان اور کتاب دونوں معدوم شدند۔

(6)۔ جین دھرم کے بانی مہاویر نے کوئی کتاب نہیں دی۔ دونوں فرقوں کے پاس مختلف کتابیں ہیں۔ مہاویر بھی گوتم بدھ کی طرح خدا کا منکر تھا۔ مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ بودھی اور جینی دونوں اپنے اپنے پیشوا کو خدا مانتے ہیں اور ان کے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں۔

2۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن نے پہلی ہی وحی میں فلسفے کے دونوں بنیادی مسائل کا حل پیش کر دیا۔ (ا) وجود کا منبع کیا ہے؟ (ب) علم کا منبع کیا ہے؟

3۔ قرآن، مذہب کی تاریخ میں پہلی اور آخری کتاب ہے جس نے دین کو روایات، معجزات، کرامات، خوراق عادات اور ظنّیات کے بجائے تجربے، مشاہدے، تدبّر، تفکّر، تعقّل اور تفقّہ یعنی برہان پر مبنی کیا۔

قرآن سے پہلے کسی الہامی کتاب نے یہ نہیں کہا:۔

(i) هَاتُوا بُرهَانَكُم اِن كُنتُم صَادِقِين ط ۔

(ii) وَلَا تَقفُ مَالَيسَ لَكَ بِه عِلمٌ ط۔

(iii) وَاِنَّ الظَّنَّ لَايُغنِى مِنَ الحَقِّ شَيئًا۔(28-53)

حقیقت تو یہ ہے کہ ظن، حق کے سامنے بالکل بکار آمد نہیں ہے۔

(iv) اِنَّ فِى خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ الَّيلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الاَلبَابِ ج ۔

قرآن اپنے آپ کو خود برہان قرار دیتا ہے:۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ! قَدجَاءَ كُم بُرهَانٌ مِّن رَّبِّكُم

4۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ نظریہ ارتقاء کی دریافت اور اشاعت سے پہلے قرآن نے لفظ رب کے ذریعے سے اس نظریے کو پیش کر دیا۔ رب کے معنی ہیں:۔

The Creator, the Controller, The sustainer

and the Evolver of the Uriverse

5۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ہستی باری پر قرآن کے علاوہ دنیا کی کسی الہامی یا مذہبی کتاب نے دلائل پیش نہیں کئے ہیں۔ حکماء نے جس قدر دلائل مرتب کئے ہیں وہ بھی قرآن میں ہیں اور ایک دلیل قرآن نے پیش گوئی کے ذریعے سے دی ہے۔

Ontological, Cosmological, Teleological,

moral argument from Prophecy.

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّومُ فِی اَدنَی الاَرضِ و ھُم مِّن بَعدِغَلَبِھِم سَیَغلِبُونَ فِی بِضعِ سِنِینَ ط

''قریب کے ملک یعنی فارس میں رومی (جو عیسائی ہیں) اہل ایران سے (جو آتش پرست ہیں) مغلوب ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہوئے پیچھے عنقریب چندسال (نو سال) کے اندر، پھر اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔''

یہ پیش گوئی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے پاس دونوں سلطنتوں کی فوجی طاقت کا اندازہ لگانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

6۔ قرآن کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا پیغام آخری ہے۔

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہُ لَحَافِظُونَ ط۔

7۔ ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے منطق اور فلسفے کی اصطلاحات کے بغیر، منطقی دلائل دیئے ہیں۔ اگر وہ مصطلحات استعمال کرتا تو اس پر دو اعتراضات وارد ہو جاتے۔ (1) یہ کتاب سب کے لئے نہیں ہے (2) آپؐ نے کسی منطقی اور فلسفی کی شاگردی اختیار کی ہے یا اس سے استفاضہ کیا ہے۔ قرآن نے لفظ ''حصر عقلی'' استعمال کئے بغیر اس دلیل سے اتمام حجت کیا ہے۔

اَم خُلِقُوامِن غَیرِ شَیءٍ اَم ھُمُ الخَالِقُونَ ط۔ (طور۔52-35)

آیا ایشاں آفریدہ می شدند بغیر آفرینندہ یا ایشاں خود آفریدگارند؟

اسی لئے قرآن نے واجب، ممکن، حادث، قدیم، ممتنع، عدم اور وجود وغیرہم الفاظ استعمال نہیں کئے۔ عشق اور عاشق بھی نہیں کئے۔ عشق کی جگہ ''حُب'' استعمال کیا ہے۔

8۔ آٹھویں خصوصیت۔ قرآن کے علاوہ کسی الہامی کتاب نے بنی آدم کو اپنا مخاطب نہیں بنایا۔ خاص قوم یا قبیلے کو مخاطب بنایا ہے۔

9۔ نویں خصوصیت یہ ہے کہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں ہر زمانے میں بنی آدم کے لئے ہدایت رہوں گی۔ اور میری تعلیمات کبھی Out of date نہیں ہوں گی۔ اور میں بنی آدم کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔

10۔ قرآن کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی کتاب تاریخ نسل انسانی پر اس قدر اثر انداز نہیں ہوئی۔

11۔ اس کے علاوہ کسی کتاب نے عالمگیر ہدایت ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

12۔ اس کے علاوہ کسی کتاب نے بنی آدم کی زندگی میں اس قدر عظیم اور دوررس انقلاب برپا نہیں کیا۔ ایم این رائے کا قول لائق غور ہے حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ رحمت بنا دیا۔

13۔ اس کے علاوہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمہارا دین کامل کر دیا اور نعمت تمام کر دی۔

14۔ قرآن نے پہلی مرتبہ دنیا کو حریت، اخوت اور مساوات کا درس دیا۔

15۔ علم اور تعلیم کی اہمیت واضح کی، علم کو عام کیا، حصول علم کو لازمی قرار دیا۔

16۔ مذہبی رواداری کا درس دیا۔

17۔ عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا۔ ہندو دھرم، جین دھرم، بودھ دھرم، پارسی مذہب، مجوسیت یہودیت اور عیسائیت نے عورت کو ذلیل، کمتر، فرومایہ اور دوزخ کا دروازہ قرار دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ الجنة تحت اقدام الامهات۔ روحانی طور پر مرد کی برابر ہے۔

18۔ رنگ، نسل، زبان، قوم، قبیلہ، ذات پات کے بتوں کو توڑ دیا۔ اِنَّ اکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم۔

19۔ قرآن نے پہلی مرتبہ رہبانیت اور ترک دنیا کی مذمت کی اور اسے خلاف فطرت انسانی قرار دیا۔ وَرَھبَانِیَّۃَ نِ ابتَدَعُوھا ۔

20۔ بدھ دھرم نے کہا ''سروم دکھم، پوری زندگی دکھ ہے۔قرآن نے کہا غلط ہے پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔اس لئے مبارک ہے اور توشہ آخرت ہے۔قرآن سے پہلے اقوام عالم کا زاویہ نگاہ Pessimistic تھا قرآن نے ذہنیت میں انقلاب برپا کیا اور Meliorism کی تعلیم دی۔

21۔ قرآن نے آج سے 1400 سال پہلے فولاد کی اہمیت واضح کی۔جس کی صداقت پر عصر حاضر گواہ ہے۔

22۔ قرآن پہلی مذہبی الہامی کتاب ہے جس نے انسان کو حصول علم کا حکم دیا۔کیونکہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔

23۔ جس نے کائنات کا مطالعہ اور مظاہر فطرت میں غور کی دعوت دی۔تاکہ اللہ پر ایمان پختہ ہو سکے اور اس مشاہدے کی بدولت سائنس عالم وجود میں آیا اور مسلمان سائنس کے علمبردار بن گئے۔

24۔ قرآن نے یورپ کی Dark age کا خاتمہ کر دیا۔

نے چھٹی صدی عیسوی میں فلسفے کی تعلیم بند کر دی تھی۔قرآن نے ساتویں صدی میں فلسفے کی شمع از سر نو روشن کی جس کی بدولت یورپ میں احیاء العلوم اور اصلاح کلیسا جیسی انقلاب آفریں تحریکیں پیدا ہوئیں۔اسی لئے پوپ نے لوتھر کو ''نصف مسلمان'' قرار دے کر عیسائیت سے خارج کیا تھا۔

25۔ قرآن کی بدولت یورپ نے انیسویں صدی میں عورت کو طلاق حاصل کرنے کی اجازت دی۔عیسائی مذہب میں طلاق نہیں ہے۔

26۔ قرآن نے پہلی مرتبہ اعلان کیا۔'' لَا اِکرَاہَ فِی الدِّینِ ''

29۔ قرآن پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے یہ چیلنج دیا کہ اگر تمہیں اس کے منجانب اللہ ہونے میں شک ہے تو کم از کم ایک سورت بنا کر دکھا دو۔

اِن کُنتُم فِی رَیبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلٰی عَبدِنَا فَاتُوا بِسُورَۃٍ مِّن
مِّثلِہٖ وَادعُوا شُہَدَآءَ کُم مِّن دُونِ اللّٰہِ اِن کُنتُم صٰدِقِینَ۔

30۔ قرآن پہلی کتاب ہے جس نے دین اور دنیا، دنیا دار اور دین دار۔ چرچ اور اسٹیٹ ۔۔

مادہ اورنفس ناطقہ کی دوئی کوختم کردیا۔ یہ ایک ہی سکے کے دورُخ ہیں۔ سیاست کیا ہے؟ مذہب کے عقیدۂ توحید کوزندگی کے ہرشعبے میں نافذ کردینے کا دوسرا نام ہے۔

31۔ قرآن کی بدولت، دنیا INDUCTIVE LOGIC سے آگاہ ہوئی۔ قرآن سے پہلے دنیا صرف ارسطو کی DEDUCTIVE LOGIC سے آشنا تھی۔ قرآن نے کائنات میں غوروفکر اور مظاہر کے مشاہدے کی دعوت دے کر استقراء کا قانون واضح کردیا۔

32۔ قرآن نے پہلی مرتبہ دنیا کو Ethical Ideal Plus Polity عطا کی۔ قرآن ایک خوشگوار امتزاج ہے دین اور دنیا کا، درویشی اور سیاست یا حکومت کا۔

33۔ قرآن نے رسم پرستی (Ritualism) کوختم کردیا۔ پادری نہ ہوتو عیسائی عبادت نہیں کرسکتا۔ پنڈت نہ ہوتو ہندو عبادت نہیں کرسکتا۔ موبد نہ ہوتو مجوسی عبادت نہیں کرسکتا۔ ربّی نہ ہوتو یہودی عبادت نہیں کرسکتا۔ مسلمان کسی کا محتاج نہیں ہے قرآن نے انسان کو انسان کی ہرقسم کی غلامی سے آزاد کردیا۔

34۔ دنیا کے اکثر وبیشتر مذاہب کے بانی خود بھی لکھے پڑھے تھے اور ان کی قوم بھی تعلیمیافتہ اور متمدن تھی مثلاً (1) ہندوؤں کے رشی اور فلسفی، (2) گوتم بدھ اور اس کی قوم، (3) مہاویر اور اس کی قوم، (4) حکیم زرتشت اور اس کی قوم، (5) حضرت موسیٰ اور ان کی قوم، (6) حضرت عیسیٰ اور ان کی قوم۔ ہندوستان اور ایران تو فلسفے اور حکمت کا گھر تھے۔

لیکن نہ آنحضرت ﷺ خواندہ تھے نہ آپ ؐ کی قوم۔ بلکہ عرب تو جہالت میں ضرب المثل تھے۔ اور تہذیب وتمدن سے بیگانہ۔ تو قرآن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک امّی کے قلب پر نازل ہوا اور اس نے جاہل قوم کو عالم اور علم کا علمبردار بنادیا۔

35۔ قرآن کریم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں یہی ایک کتاب ہے جو سفینوں کے علاوہ سینوں میں بھی محفوظ ہے۔

اور یہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے جن کے متن کی صحت کی گواہی اغیار نے دی ہے۔ ورنہ ہر الہامی کتاب یا گم ہوچکی ہے یا اس کے متن میں لفظی اور معنوی تحریف ہوچکی ہے۔ اور صرف اسی کا نسخہ (مصحف عثمانی) آج بھی محفوظ ہے۔ کسی الہامی کتاب کا اصلی نسخہ نہ محفوظ ہے۔ نہ

موجود ہے۔

سچ کہا ہے اقبال نے ۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ! ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

چوں بجاں در رفت' جاں دیگر شود! جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود!

اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ کسی کتاب نے قرآن سے بڑھ کر انقلاب پیدا نہیں کیا اور کوئی ہادی یا بانی مذہب یا رسول آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کامیاب نہیں ہوا۔

36 ویں خصوصیت ۔ یہ ہے کہ اس کتاب میں ۔۔۔کوئی بات تہذیب اور حیا کے معیار سے فروتر نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرد اس کتاب کو عورتوں کے مجمع میں بھی پڑھ کر انہیں سمجھا سکتا ہے لیکن اگر آپ کسی پنڈت سے پوچھیں کہ کیا تم اس منتر کا اردو ترجمہ عورتوں کو سنا سکتے ہو جو تم نکاح کے وقت پڑھتے ہو؟ تو اس کا رنگ فق ہو جائے گا وہ منتر یہ ہے۔ اَتھر وَنُ وید کانڈ نمبر 14 سوکت نمبر 2 منتر نمبر 38۔

37 ویں خصوصیت ۔قرآن نے تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ سرمایہ داری کے خلاف تعلیم دی ہے

38 ویں خصوصیت ۔ قرآن نے قانون وراثت نافذ کیا۔

39 ویں خصوصیت ۔ انفرادی ذمہ داری کی تعلیم دی۔

40 ویں خصوصیت ۔ قرآن نے تمام مذاہب کے غلط عقائد کی تردید کردی۔

اس کا یہی ایک کارنامہ اسے غیر فانی بنا دینے کیلئے کافی ہے۔

41 ویں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کردیا۔

42 ویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب اپنا تعارف خود کراتی ہے۔ الٓمّٓ ذٰلِكَ الكِتَابُ لَا رَيبَ فِيهِ ۔۔۔۔وَاُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ۔

43 ویں خصوصیت ۔ یہ کتاب انسانی شخصیت کے تینوں پہلوؤں کی یکساں آبیاری کرتی ہے۔

44 ویں خصوصیت ۔اس کتاب نے شراب، قمار اور سود تینوں کو حرام قرار دے کر دنیا کو لعنت

سہ گانہ سے نجات دی۔

45۔ ویں خصوصیت۔قرآن نے دنیا کے تمام بانیان مذاہب کی عزت کرنے کا حکم دیا تا کہ رواداری اور مصالحت کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

46۔ ویں خصوصیت۔وحدت ادیان عالم کی تعلیم دی۔وحدت نسل انسانی کی تعلیم دی۔وحدت معبود کی تعلیم دی۔دین ابتداء سے ایک ہی رہا۔اللہ کی عبادت کرو۔ وَاجتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

47۔ ویں خصوصیت۔انسان گنہگار یا ناپاک نہیں ہے۔خلیفة اللّٰہ فی الاَرض ہے۔

48۔ ویں خصوصیت۔صرف یہ کتاب ہے جس کو اس کے پیش کرنے والے نے اپنی زندگی میں اپنے پیروؤں کو دے دیا۔اور وہ آج تک بجنسہٖ محفوظ ہے۔

49۔ ویں خصوصیت۔قرآن سے بڑھ کر شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کسی مذہب نے نہیں کیا۔

50۔ ویں خصوصیت۔حامل وحی کو بطور اسوۂ حسنہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

51۔ عقیدۂ توحید کو مرتبہ کمال تک پہنچا دیا یعنی شرک کی ہر ممکن صورت کی تردید کر دی۔

مثلاً (1) شرک فی الذات (2) شرک فی الصفات (3) شرک فی العبادۃ (4) شرک فی الاستعانۃ (5) شرک فی التصرف (6) شرک فی الحکم (7) شرک فی الامر۔

52۔ ویں خصوصیت۔ماسوی اللہ، فقیر الی اللہ ہے۔صرف اللہ غنی اور حمید ہے۔

رویت ہلال کا مسئلہ
بصری یا نظری

اس دفعہ دسمبر 2006ء میں ذوالحجہ کے ہلال کو دیکھنے کے سلسلے میں حسب سابق اختلاف سامنے آیا ہے اور اطلاعات کے مطابق ملک خداداد پاکستان میں تین دن (ہفتہ / اتوار / سوموار) عیدالضحیٰ منائی گئی۔ نئے قمری ماہ کا چاند دیکھنے کا مسئلہ بظاہر تو سادہ سا ہے مگر دور حاضر کی حیران کن ترقی اور وسائل کی فراوانی نے اسے ایک اہم قضیہ بنا دیا ہے۔ ایک صدی پہلے تک جہاں جہاں مسلمان بستے تھے وہاں مقامی مطلع کے مطابق چاند دیکھ کر قمری مہینے کی یکم تاریخ کا تعین کر لیتے تھے۔ اس لئے کہ سفر مشکل تھے اور اطلاعات کی منتقلی زیادہ تیز رفتار نہیں تھی زیادہ سے زیادہ سفر روزانہ 15-20 میل (یا 20-30 کلومیٹر) ہوتا تھا اس درجے میں مطلع کا ویسے ہی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔

دور حاضر میں ایک آدمی سعودی عرب میں چاند دیکھ کر جہاز میں بیٹھتا ہے اور رات گیارہ بجے تک کراچی پہنچ جاتا ہے یا آدمی کراچی سے عصر کے وقت روانہ ہو کر جدہ اترتا ہے تو وہاں مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہوتا ہے دوستوں کو موبائل پر اطلاع دے سکتا ہے چاند نظر آ گیا ہے لمحے لمحے کی خبریں یہاں سے وہاں، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ رہی ہیں لہٰذا اب ہماری ذہنی ساخت اور صدیوں سے بنے بنائے نسلاً بعد نسل جاری ذہنی پیمانے بھی مجروح ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید بلاشبہ اللہ کا کلام ہے سنت رسول ﷺ قرآن کی تشریح اور تفاصیل کے تعین کے لئے واحد سرچشمہ ہے۔قرآن وسنت اپنی جگہ لیکن قرآن وحدیث سے ہمارے ذہنوں نے کچھ چیزیں اخذ کرنے کیلئے ایک کائناتی تصور کا معہود ذہنی ساخت اور سانچہ یا کنیڈا پہلے ہی بنالیا ہوتا ہے جو ہر دور میں اپنے دور کے مروجہ علوم اور عصری علوم کیساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔چودہ سو سال پہلے کائنات سے متعلق قرآن وحدیث کے الفاظ سے جو سمجھا گیا وہ اس دور کے عصری علوم کی فضا سے باہر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کا مکلّف ٹھہرایا ہے تاہم گذشتہ دو تین صدیوں میں مغربی علوم کی ترقی کے ساتھ کائنات کے بارے میں جو انسانی معلومات میں حد درجہ اضافہ ہوا ہے اس سے قرآن وحدیث کے الفاظ اور متن میں تو نہ کوئی فرق پڑنے والا ہے اور نہ آئندہ پڑے گا مگر ہمارے ذہنی پیمانے اور تصورات کو اس ترقی سے ضرور دھچکا لگتا ہے جس صورت حال کو ہم جلد بازی میں ''قرآن وحدیث کے خلاف'' کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں حالانکہ کائناتی حقائق کے بارے میں سائنسی ترقی قرآن مجید کے الفاظ اور متن کو زیادہ حق ثابت کر رہی ہے اور اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہے جس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئیے۔اس کی درج ذیل مثالیں سامنے رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن رسا کو قرآن وسنت کے تصور کے قریب تر کر دیں گے۔(مزید انشراح صدر کیلئے فرانس کے نومسلم ڈاکٹر مورس تھائی کی کتاب ''بائیبل ،قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ کریں۔

(i) آج سے 6 ہزار سال پہلے سے لیکر اٹھارویں صدی تک دنیا بھر میں عوامی سطح پر زمین کے چپٹا ہونے کا تصور تھا۔(آج بھی دور دراز علاقوں میں کم تعلیم یافتہ لوگ شاید اسی دور میں رہ رہے ہیں) آسمان کا بلند ہونا بھی بس چند سو میٹر سے زیادہ فاصلے کا تصور نہ تھا۔

اسی لئے ہمارے قدیم مذہبی لٹریچر میں اور قرآن کی تشریح میں جو اس دور کی تحریریں ہیں ان میں طوفان نوحؑ کا تذکرہ عجب انداز میں ہے کہ وہ پوری زمین پر آیا تھا بلکہ دیہاتی سطح پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیڑا آسمان سے جالگا تھا۔

قرآن مجید میں سورۃ مومن (40) میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت توحید دی ہے اور رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے تو فرعون نے بزعم خویش اپنے وزیر ہامان کو کہا

کہ میرے لئے ایک اونچی سی عمارت بناؤ تا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب فضاؤں میں کہاں ہے؟۔۔۔۔۔اس کے خیال میں دس بیس منزلہ مکان کی چھت (یا اونچے سے اونچے اہرام 400 فٹ) پر کھڑے ہو کر فضا میں اللہ کے بارے میں خبر لائی جا سکتی ہے۔ یہ کوتاہ فہمی صرف فرعون کا قصور نہیں تھا بلکہ کئی سو سال تک طبیعات کی دنیا کے یہی تصورات رہے۔ انسان وحی الٰہی کی بھی وہی تشریحات کرتا ہے جو اس کے مروجہ علوم عصری سے ایک ذہنی ظرف تیار ہو چکا ہوتا ہے اور یہی سلسلہ ماضی میں جاری رہا ہے۔

الحمدللہ، حقیقت کے عین مطابق امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے الفاظ اٹل اور مستقل ہیں قرآن مجید کی تشریح سنت رسول ﷺ ہے اور اس سنت کا ماخذ اول کتب احادیث ہیں اور پھر آثار صحابہؓ ہیں۔ تاہم چونکہ احادیث کے الفاظ اور متن میں انسانی ذہن اور یادداشت کو دخل ہے لہٰذا اس کے الفاظ صحابہؓ اور تابعین کے دور کے بعد کے غیر ثقہ راویان کی وجہ سے حدیث کے صحیح ہونے اور مفہوم کے ادا ہونے کے باوجود الفاظ کے غیر نبوی ﷺ ہونے کا امکان ہے۔

اس پر مستزاد ہے عصری علوم اور طبعی اور جغرافیائی حقائق کے زیر اثر آج سے ہزار سال قبل کا ذہن جس نے علوم انبیاء علیہم السلام کو اخذ کیا اور ان کی تشریح کی لیکن اس دور کے کائنات کے تصور سے بہر حال باہر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ممکن ہی تھا۔

آج گزشتہ پانچ صدیوں کی محنت اور تجرباتی علوم کی ترقی کے باعث فلکیات، طبقاتی سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب کائنات کا تصور ہی بدل گیا ہے اور پرانے ذہنی سانچے الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔

اسی طرح چاند زمین اور سورج سے متعلق حقائق کی دریافت سے بھی پرانا ذہن بدل چکا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ اٹل ہیں اور احادیث اور سنت رسول ﷺ بھی غیر متبدل ہے تاہم سائنسی اور کائناتی حقائق کی دریافت اور علم کی وسعتوں کے پیش نظر انسان کا ذہنی ظرف بدلا ہے تو قرآن وحدیث کے الفاظ کی روشنی میں حقائق پر دوبارہ غور و فکر کی ضرورت ہے اور یہ بھی کوئی

اورنہیں علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت ہی کو کرنا ہوگا۔

اس پس منظر میں دیکھئے قمری مہینے کی ابتداء اور رویت ہلال کا مسئلہ اہم ہونے کے باوجود کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے، آیئے چند بنیادی حقائق پر نظر ڈالیں اور غور کریں۔

(1) زمانہ قدیم میں قمری اور شمسی دونوں طرح کے کیلنڈر رائج تھے اور آج بھی ہیں۔اور مذاہب و اقوام عالم عام طور پر کسی ایک کو اپنے لئے اختیار کئے ہوئے ہیں۔اسلام کی افاقیت کی دلیل اور اللہ کی حکمت کا مظہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو بروئے کار لانے کے لئے سورج اور چاند دونوں سے متعلق وقت کی پیمائش کو اپنا اپنا مقام دیا ہے۔

(i) نمازوں کے لئے سورج کے طلوع وغروب کے حوالے سے پانچ نمازیں فرض ہیں۔اوقات (زوال طلوع، غروب وغیرہ) سورج کے متعلق کر دیئے گئے ہیں۔

(ii) فصلوں کا نظام اور عشر کا نظام بھی سورج کے ساتھ وابستہ ہے صاف ظاہر ہے کہ اس کو قمری نظام سے جوڑ ناممکن نہیں ہے اور نہ ہی جوڑا گیا ہے۔

(iii) اسلامی تقویم اور حج اور روزہ کی عبادت کو چاند کی حرکت اور تغیر وتبدل کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں ویسے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تاہم جو حکمت عیاں ہے وہ یہ کہ روزہ اور حج کو قمری کیلنڈر سے جوڑ کر ان عبادات کو کسی ایک موسم کی بجائے سال بھر کے دوران چلایا گیا ہے۔کہ دنیا کے ہر خطے اور علاقے کے لوگ مختلف موسموں اور فصلوں اور مصروفیات کے دوران ان عبادات کے لئے وقت نکالیں اور سردیوں گرمیوں کے مستقل خانوں میں مقید نہ رہیں۔

(iv) نمازوں کے اوقات کے لئے پہلے سورج کو دیکھا جاتا تھا اور سائے سے اندازہ لگایا جاتا تھا اب اس نے ترقی کر کے گھڑی کی شکل اختیار کر لی ہے۔سوئیوں والی گھڑی کی بنیاد سورج اور سایہ کی تبدیلی ہی ہے۔

(v) اب موجودہ دور میں ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے اور ڈیجیٹل کلاک نے تو سارا منظر تبدیل کر دیا ہے اور گھڑی اور سورج کا ایک موہوم سا تعلق بھی قصہ ماضی بنا دیا ہے۔

دورِ نبوی ﷺ اور دورِ صحابہؓ میں رویت ہلال سے متعلق مختلف مواقع پر مندرجہ ذیل قسم کی صورت حال پیدا ہوئی۔

(i) اسلام میں عیدوں کی تہواری اہمیت اور حضرت محمد ﷺ کی ترغیب اور تشویق کے نتیجے میں عام شوق تھا کہ چاند دیکھا جائے۔ اگرچہ کبھی بھی شاید ایسا نہیں ہوا کہ لازماً تمام مرد و خواتین چاند دیکھیں تاہم اگر اکثر نے چاند دیکھ لیا تو بات اولی الامر تک پہنچائی گئی اور چاند کا اعلان کر دیا گیا۔

(ii) مطلع کے صاف نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ہلال عمومی طور پر نظر نہیں آیا تو کم از کم دو معتبر گواہ ہونے کی صورت میں اولی الامر نے چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔

(iii) کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا بلکہ باہر سے کوئی آدمی آیا اور اس نے (مطلع کے ذرا سے فرق کی وجہ سے) چاند دیکھنے کی شہادت دی تو اولی الامر نے چاند دیکھنے کا فیصلہ کر دیا۔

(iv) دورِ نبوی ﷺ میں رمضان کے 30 ویں دن ایک آدمی مدینے سے باہر سے آیا اور اس نے چاند ہونے کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے روزہ کھلوا کر عید ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(v) اسلامی سلطنت کی وسعت پر مختلف شہروں میں چاند کے فیصلہ ہونے کی صورت میں قریبی علاقہ جہاں تک اطلاع پہنچائی جا سکتی تھی (زیادہ سے زیادہ ایک روز کا سفر) وہاں تک نیا چاند نظر آنے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق عمل کیا گیا۔

دورِ حاضر میں علمائے کرام اور ماہرین قرآن و سنت نے مختلف مواقع پر نئے تناظر میں اجتہاد کیا ہے اور امت کی رہنمائی کی ہے یہ اجتہادی فیصلے بڑے اہم ہیں اب وہاں سے آگے کی طرف مزید سوچنے کی ضرورت ہے 60 کی دہائی میں جب پاکستان مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھا ایسا ہوتا تھا کہ مغربی پاکستان میں چاند نظر آیا تو 1000 میل دور مشرقی پاکستان میں عید کر لی گئی اور اگر مشرقی پاکستان میں چاند نظر آیا۔ تو مغربی پاکستان میں عید کر لی گئی۔ اگرچہ مروجہ طور پر مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک گھنٹے کا فرق تھا اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد کیا 1000 میل (1600 کلومیٹر) کے فاصلے پر دالبدین سے بحرین کا یا الجبیل (سعودی عرب کا مشرقی مقام) سے ہلال کی رویت کو نہیں جوڑا جا سکتا۔ پشاور میں چاند نظر آنے پر گوادر اور تربت

میں عید ہوسکتی ہے تو تربت میں چاند نظر آنے پر پورے ملک میں عید کیوں نہیں ہوسکتی ؟۔امرتسر اور لاہور کا فرق 50 کلومیٹر کا ہے شاید گوادر میں رویت ہلال پر لاہور میں عید ہو جائے مگر امرتسر میں چاند نظر آنے پر ممکن نہیں کیوں؟۔ حالانکہ مطلع کا کوئی فرق نہیں اور مطلع اور فضا ہر قسم کی جغرافیائی حدود سے بالاتر چیز ہے۔اس طرح سعودی عرب اور مصر،سعودی عرب اور کویت،امارات،عراق، اردن اس طرح ہیں جس طرح پاکستان کا صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد اور کشمیر۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو جو جگہ دی ہے وہ جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا سے مراکش تک صرف 6 گھنٹے کا فرق ہے جبکہ پاکستان سے لیکر سعودی عرب تک کا علاقہ اس کا وسط ہے اگر اس درمیانی علاقہ میں چاند نظر آ جائے تو پورے عالم اسلام میں رویت تسلیم کی جانی چاہئے۔

اس سے بھی ذرا ہٹ کر غور فرمائیں پورے فضائی ماحول میں چاند وہ واحد کرّہ ہے جس سے متعلق انسانی معلومات آج زمین کے بعد سب سے زیادہ ہیں اس لئے کہ وہاں تو مختلف مہمات کے دوران انسان کے بھیجے ہوئے مشینی آلات سمیت چاند گاڑی اتر چکی ہے۔لہٰذا اس کی حرکات اور مدار کے لمحے لمحے کی کیفیت کا ہمیں گھر بیٹھے اندازہ ہے اسی لئے ہم سب جانتے ہیں کہ اب سال پہلے (بلکہ آئندہ دس سال کے چاند سورج کے گرہنوں کا شیڈول دیا جا سکتا ہے) چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات، دورانیہ اور تاریخ سے متعلق اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اس وقت فی الواقع گرہن کے وقت میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

گویا چاند کی محوری گردش اور سالانہ گردش کے پیش نظر سال بھر کے چاند کے سفر اور کسی خاص مطلع پر اس کے نظر آنے کی پیشگی اطلاع ہوسکتی ہے۔ جیسے سورج کے طلوع وغروب کے سائنسی نظام سے بنے چارٹوں سے ہم لوگ فائدہ حاصل کر کے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں اسی طرح اس کے مماثل چاند کے بارے میں معلومات کے تحت رمضان المبارک کے آغاز و اختتام کا فیصلہ نہ خلاف عقل وفطرت اور نہ ابعد من السنة ہے۔

ایک اور نظر سے دیکھیں تو ہمارے قابل احترام علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے اس طرح کا ایک اجتہاد پہلے سے کر رکھا ہے اور اسی کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ اور ایسا فتویٰ حالات کا تقاضا بھی ہے اور قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی بھی۔ و ھو ھذا۔ کرّہ ارض کے انتہائی شمالی مما لک اور علاقوں میں 6 ماہ کی رات اور 6 ماہ کا دن ہوتا ہے یا کم وبیش اس طرح کے حالات ہیں ایسی صورت میں صاف ظاہر ہے کہ یا تو علماء کرام یہ فتویٰ دیتے کہ وہاں کے مسلمان سال میں صرف پانچ نمازیں پڑھیں اور روزے بالکل نہ رکھیں، اگر ایسا ہوتا تو یہ شریعت کے ظاہری منشا کے خلاف ہوتا۔

اب علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان دیگر قریبی مسلمان مما لک کے مطابق گھڑی دیکھ کر 24 گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کریں اور گھڑی دیکھ کر رمضان المبارک کے ماہ میں روزے بھی رکھیں۔ اب دیکھیں یہ صلوٰۃ جیسی عبادت کا سارا نظام سورج کی ظاہری حرکت سے کاٹ کر نظری صورت حال سے جوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں کتاباً موقوتاً کا لفظ آیا ہے اور بصری طور پر وہ آتا بھی ہے۔ 6 ماہ کے دن میں صبح کا مکروہ وقت ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا زوال کا وقت بھی ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا عصر کے بعد کا وقت بھی ہمارے تقریباً 10 دنوں کے برابر ہوگا (جس میں اس دن کی عصر کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جاسکتی) تو گویا سورج زوال پر ہے نماز اور سجدہ منع ہے مگر آپ کئی دفعہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر ادا کر رہے ہیں علیٰ ھذا القیاس طلوع اور غروب کے وقت۔

اگر بصری طور پر سورج کے زوال، غروب وطلوع کے ممنوعہ اوقات میں فرض نماز ادا کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے تو چاند کی نظری حرکت کے پیش نظر پاکستان کا کیلنڈر کیوں ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ یہ ایک قابل عمل چیز ہے۔ (عوام کی راہنمائی کے لئے کراچی کے دو معروف دارالعلوموں کے فتاویٰ اس عنوان پر موجود ہیں)۔

سورۃ بقرہ۔ رکوع 23 میں جہاں روزہ کے احکام وارد ہوئے (ماہ صیام کا آغاز اور عیدالفطر کے لئے رویت ہلال کی سب سے زیادہ اہمیت ہے کہ فیصلہ کرنے میں وقت کم ہوتا ہے)

وہاں اس رکوع سے متصلاً آ گے آیت ہے۔

یسئلونك عن الاهلّه قل هی مواقیت للناس و الحج

(البقرۃ189)۔

''(اے محمدؐ) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

(کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں)

اور حج کے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے''۔

یعنی چاند کا فی نفسہ کوئی قابل احترام شئے ہونا غلط فہمی ہے یہ تو لوگوں کے لئے وقت کی پیمائش کا ایک ذریعہ ہے اور حج (کے معلوم کرنے) کا بھی تو جیسے سال بھر کے لئے طلوع وغروب کے چارٹ مطبوعہ ملتے ہیں اسی طرح چاند سے متعلق سال بھر کا کیلنڈر بن جانا بھی کوئی خلاف عقل وفطرت بات نہیں ہے (والله اعلم)

انہی علاقوں میں جہاں دن اور رات کی طوالت غیر معمولی ہوتی ہے۔ چاند کی رویت بصری کا معاملہ بھی زیادہ پریشان کن ہے۔ جہاں سورج چھ ماہ نظر آتا ہے۔ وہاں چاند نظر نہیں آ سکتا ہے لہٰذا ان چھ ماہ کے دوران روزہ، حج اور قمری مہینہ کی تاریخ کے لئے آپ کو ہزار میل دور کے کسی غیر ملک کی قمری تقویم (نظری تقویم) پر عمل کرنا ہوگا۔

اسی بات کو ایک مختلف زاویہ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

دن کئی ماہ کا ہو جائے یا رات، چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ درحقیقت بات عام حالات میں معمول کی زمینی گردش میں اپنے محور کے گرد ایک چکر مکمل کرنے کی ہے جس کو عام معروف معنیٰ میں دن (ONE DAY) یا دن رات یا 24 گھنٹے کہا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ایک حدیث میں حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا!

قلنا یا رسول الله وما لبثه فی الارض قال: اربعون یوماً

یوم کسنة و یوم کشهر و یوم کجمعة وسائر ایامه

کا یامکم قلنا یا رسول الله فذ لك الیوم الذی کسنة

اتکفینا فیه صلوة یوم قال لا! اقدرواله قدره(صحیح مسلم)

''ہم نے دریافت کیایارسول اللہﷺ وہ زمین پرکتنی مدت رہے گا۔
آپؐ نے فرمایا! چالیس دن تک، ایک دن ان میں کا ایک سال کے
برابر ہوگا۔اور دوسرا ایک مہینے کے،اور تیسرا ایک ہفتہ کے اور باقی دن
جیسے یہ تمہارے دن ہیں،(تو ہمارے دونوں کے حساب سے دجال
ایک برس دو مہینے چودہ دن تک رہے گا)۔اصحاب نے عرض کیا!
کیایارسول اللہﷺ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس دن ہم کو ایک
ہی دن کی نماز کفایت کرے گی؟ آپ نے فرمایانہیں! تم اندازہ کر
لینا اس دن میں بقدر اس کے (یعنی جتنی دیر کے بعد ان دنوں میں
نماز پڑھتے ہو۔اسی طرح اس دن بھی اٹکل کر کے پڑھ لینا'')۔

اندازے سے نمازیں (اور روزے رکھنا) گویا حدیث صحیح سے ثابت ہوگیا (اور غالباً یہی بنیاد ہے علماء کے اوپر تذکرہ شدہ فتویٰ کی) اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاص حالات کی بات ہے اوراس خاص کو عام کیسے کیا جاسکتا ہے غور طلب بات یہی ہے کہ اگر معروضی دنیا میں حالات سابقہ ڈگر پر چلتے رہتے اور طبیعات، فلکیات، تحقیق کا معیار وہی صدیوں پرانا انسانی آنکھ کا مشاہدہ ہی ہوتا تو بلاشبہ یہی فتویٰ رہتا جو قرون اولیٰ میں رہا اور صدیوں بعد تک قابل عمل رہا۔مگر حالات اور معیار تحقیق اور وسائل تحقیق نے ترقی کرلی ہے اور اب مشاہدہ کی بنیاد ہے تو انسانی آنکھ کا مشاہدہ تاہم دوربین اور خوردبین اور دیگر ذرائع مواصلات وائرلیس، ایکسریز، موبائل فونز اور سیٹلائٹس وغیرہ سے اب انسان عام مشاہدہ کی باریک چیز کو ایک لاکھ گنا بڑا کر کے دیکھ سکتا ہے اور کروڑوں نوری سال دور کے کسی سیارے کو قریب کر کے انسانی آنکھ کے لئے قابل مشاہدہ بنا سکتا ہے لہٰذا چاند، سورج اور دیگر اجرام فلکی کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرائی میں اور صحت اور تعین کے ساتھ کیا جاسکتا ہے صرف ظن وتخمین نہیں۔

حضرات علماء کرام اور ماہرین قرآن وحدیث کے لئے یہ بات بڑی قابل لحاظ ہے کہ ذرائع تحقیق میں اضافہ، علمی مواد کی فراوانی اور کل جہان میں بیک وقت اپنے مطالعہ کی میز پر

دستیابی (انٹرنیٹ کے ذریعے) اور وسائل آمد و رفت اور اطلاعات کے طوفان نما انقلاب نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ مسلمانان عالم کو ایک بین الاقوامی امت کی طرف پیش رفت کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرنا گردوپیش کی ضرورت ہے۔

آج دنیا کو ایک عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کہا جا رہا ہے ملکوں کی حیثیت ایک لحاظ سے گاؤں کے مکانوں سے بھی زیادہ قریب کی ہوتی جاری ہے۔ دو چار کلومیٹر اور قریب کا واقعہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد عالمی نشریاتی اداروں سے چہار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا نے یہ ترقی کر کے انسانی وحدت اور ایک عالمی حکومت کا جواز پیدا کر دیا ہے مغربی اقوام اور ایک ان دیکھی قوت اس کو اپنے حق میں استعمال کرنے پر گویا تلی ہوئی ہے لیکن یہ دراصل سارا انتظام حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت (قرآن مجید) کی تعلیمات کی ابدیت اور آفاقیت کے اظہار کا موقع میسر آ رہا ہے۔ تاکہ پیغمبر انقلاب اور محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ جو صرف عربوں کے لئے نہیں تھے بلکہ قرآن مجید میں دوسروں پیغمبروں کے برعکس۔ "یا ایھا الناس " کے الفاظ سے انسانوں کو مخاطب کرتے ہیں اور آج کی ترقی دراصل تمام انسانیت کو گھیر کر ایک عالمی حکومت اور عالمی ریاست یعنی ایک نظام عدل وقسط کی طرف ہانک رہی ہے اور عفت و عصمت کے ایک روحانی نظام کی طرف لے جانے کا ایک فطری اور عقلی دباؤ ہے جس کے تحت انسان اسی منزل کی جانب پیش قدمی کرنے پر مجبور ہے جسے شعر کی زبان دی ہے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال نے۔ ؎

ہر کجا بینی جہاں رنگ و بو — زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

یا جیسے رب ذوالجلال نے خود قرآن مجید میں ایک خبر یہ انداز میں فرمایا!

سنریھم آیا تنا فی الاٰفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق اولم یکف بربك انه علی کل شیء شهید (حم السجدہ 53)۔

''ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی

نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن)
حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبر دار ہے''۔

گویا ایک عالمی اسلامی عوامی (جمہوری) فلاحی ریاست کا انسانی خواب اب پورا ہو کر رہے گا جو اعلیٰ انسانی اقدار کو سیاسی اور معاشی سطح پر سمو کر مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گی۔ان شاء اللہ جہاں تمام نوع انسانی بلا لحاظ رنگ و نسل و مذہب سکھ کا سانس بھی لے گی اور جہاں عدل و انصاف اور شرف انسانی کے اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کا فروغ بھی ہوگا اور یہ سب نعمتیں ہر انسان کو گھر کی دہلیز پر میسر آئیں گے۔یقیناً مبارکباد کے لائق ہیں وہ لوگ جو اس اعلیٰ نصب العین کے لئے کوشاں ہیں اور اس کو آج کے ذہنوں میں اتارنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور یقیناً ایسے لوگوں کا وجود بھی بڑا مبارک ہے جو اس راستے کے کانٹے ہی دور کرنے پر اپنا وقت لگا رہے ہیں اور آنے والوں کیلئے آسانیاں پیدا کر رہے ہیں۔درحقیقت حضرت محمد ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی شان دراصل اسی وقت ظاہر ہوگی کہ واقعی ان کا لایا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے کتنے فائدہ اور برکت کا حامل تھا اور ہے۔جو لوگ آج اس آنے والی تبدیلی کے راستے میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں کل وہ بھی اس کی حقانیت کے نہ صرف قائل ہو جائیں گے بلکہ اسی کے گن گا رہے ہوں گے۔چنانچہ ایک حدیث میں لسان رسالت،لسان حق ترجمان ﷺ سے یوں الفاظ ادا ہوئے ہیں۔

عن المقداد رضی اللہ عنہ:قال! قال رسول الله صلى الله و عليه وسلم!لا يبقىٰ على ظهر الارض بيت مدر ولا وبر الا ادخله الله كلمة الاسلام بعز عزيزاو ذل ذليل۔۔ ۔۔۔ اما يعزهم الله فيجعلهم من اهلها او يذلهم فيدينون لها قلت : فيكون الدين كله لله(مسند احمد)
''حضرت مقدادؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا۔ اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمہء اسلام کو داخل

نہ کردے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بد بخت
کو مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت)
عزت عطا فرما دیگا۔ اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا۔ یا
(حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرما دے
گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے۔ (حضرت مقدادؓ
فرماتے ہیں کہ اس پر) میں نے اپنے دل میں کہا ''پھر تو واقعتاً دین
کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے گا''۔

اس آنے والے دور ہی کے لئے ایک بنیادی کڑی اور بیگ وغیرہ کو بند کرنے والی ZIP کی پہلی کڑی بھی شاید اسی طرح کا کوئی اجتماعی عمل ہوگا جس سے عالم اسلام کے اجتماعی شعور میں ایک خوشگوار اتحاد اور یگانگت کی لہر دوڑ جائے گی اور بعد ازاں پے در پے واقعات اس منزل کی طرف بڑے بڑے اقدامات کا سبب بن کر بالآخر ساری محنت نتیجہ خیز ہو جائے گی۔

(یہ بات قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ سائنسی انکشافات نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے اور دو تین سال قبل ہمارے ہاں بھی پریس میں آ چکی ہے کہ مریخ اور زمین چند سال بعد اتنے قریب آ جائیں گے کہ ان کا اپنا اپنا کشش ثقل کا نظام ایک دوسرے سے متاثر ہو جائے گا اور مریخ چونکہ زمین سے کئی گناہ (100 گنا) بڑا ہے لہٰذا زمین کی حرکت محوری کم ہو کر ختم ہو جائے گی پھر زمین کی حرکت محوری الٹی ہو جائے گی اور زمین جب مریخ کے اثر سے آزاد ہوگی تو الٹی حرکت دوبارہ کم ہو کر ختم ہوگی اور پھر دوبارہ زمین کی صحیح سابقہ محوری حرکت کا آغاز ہوگا۔ اس طرح کا واقعاتی قِران تقریباً 30000 سال بعد ہو سکتا ہے لہٰذا اس طرح کا گذشتہ قِران معروف تاریخ انسانی سے قبل کا ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم اس زمین کی الٹی محوری گردش میں سورج مغرب سے طلوع ہوتا نظر آئے گا یعنی اس واقعہ میں قرب قیامت کی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی گویا شامل ہوگا۔)

اور آخری بات یہ ہے کہ رویت بصری کے بجائے رویت نظری کا اہتمام اب دور حاضر میں جدید فنی ایجادات اور INFORMATION TECNOLOGY کی ترقی کی وجہ سے ضرورت ہی نہیں امت مسلمہ کے مصالح کے تحت لازم ہے اور پہلے پاکستان کے لئے ایک رویت نظری پر مشتمل کیلنڈر تیار کیا جانا ضروری ہے جس میں اہل علم ماہرین ہیئت وجغرافیہ اور ماہرین قرآن وسنت شامل ہوں اسلامی نظریاتی کونسل یا شریعت کونسل یا کوئی دیگر خصوصی نوتشکیل شدہ ادارہ کے تحت یہ کام کیا جاسکتا ہے اور یوں قرآن اور حدیث کے مسلمات پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی اور اسلامی تہواروں کے تعین کے لئے عالمی امت اور امت واحدہ کا تصور اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

اس مقصد کے لئے آپ غور کیجئے ایک اہتمام خالق کائنات نے پہلے سے ہی کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اگر چہ یہ چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا تاہم یہ کلام تا قیامت انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ رہے گا اس کے الفاظ میں چودہ صدیاں قبل کے انسانوں کے لئے بھی رہنمائی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ تا قیام قیامت رہے گی اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور متکلم کی طرح زندہ و پائندہ ہونے کی وجہ سے اس کے الفاظ میں وہ معنوی گنجائش موجود ہے جو تمسک بالقرآن کے ٹھیٹھ تصور کو مجروح کئے بغیر بھی آج کے مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نام سے کون واقف نہیں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کے ضمن میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیئے۔ ’’الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب ‘‘ قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کا خیال رکھا جانا چاہیئے نہ کہ سبب کے اختصاص کا۔

الفاظ کے عمومی معنی کا خیال رکھیں گے تو اسلام میں حرکت (DYNAMISM) اور اجتہاد کا فطری اور لابدی تصور اجاگر ہوگا جبکہ الفاظ کو کسی خاص پس منظر والے معنٰی میں مقید کر دیں گے تو جامدیت اور تحجر کا تصور ابھرے گا اور اسلام کے دین فطرت، آفاقی دین اور ہر دور اور ہر علاقے اور پوری انسانیت کے دین کے تصور کو اجاگر کرنے میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

اسی طرح حدیث کے الفاظ میں اگر متن کے الفاظ میں کوئی معنیٰ ایسے نکلتے ہوں جو پہلے قابل عمل نہیں تھے اب لائق اعتناء اور مصالح امت کے لئے ضروری ہیں تو کئی دوسرے مواقع کی طرح رویت ہلال کے مسئلے پر اس کا اطلاق وقت کا تقاضا ہے

لفظ رؤیت۔۔۔عربی لغت میں دو معنی میں آیا ہے دیکھنا اور غور کرنا جیسے بصر اور بصیرت ظاہری آنکھ سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا۔اسی لئے قرآن مجید کی آیات میں مختلف جگہ مفسرین کرام نے رؤیت کے لفظ کے اپنے ذوق کے مطابق تراجم کئے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر سورۃ الفیل میں اصحاب فیل کا واقعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے فرمایا ہے!

الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیلo۔

''کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ''۔

یہاں لفظ ''لم تر'' رویت سے اور ''رائے'' مادہ سے آیا ہے مگر صاف ظاہر ہے یہاں مراد رویت بصری ہو ہی نہیں سکتی یہاں سوچنا، غور کرنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

☆ ایک اور مثال قرآن مجید میں فرعون کے تذکرہ میں ہے-

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

وفرعون ذی الاوتاد o (الفجر 89)

''اور فرعون ''اوتاد'' والا''۔

''وتد'' عربی میں بڑی میخ یا PEG کو کہتے ہیں قرآن مجید میں پہاڑوں کو بھی ''وتد'' کہا گیا ہے۔

والجبال اوتاد اً o (النبا 78)

''اور پہاڑوں کو اوتاد بنایا''

ہمارے متقدمین مفسرین کرام نے ''فرعون میخوں والا'' ترجمہ کیا ہے اگرچہ فرعون پہاڑوں والے ترجمہ کرتے تو ممکن تھا مگر اس کی تطبیق کہ پہاڑوں سے مراد کیا ہے ایک لاینحل مسئلہ ہوتا اب جبکہ عصر حاضر میں فرعون بادشاہوں کے تعمیر کردہ ''اہرام مصر'' دریافت ہو چکے ہیں جو

پہاڑوں ہی کی طرح بڑے بڑے ہیں اور 1902ء میں انہیں اہراموں میں سے فرعونِ موسیٰؑ کی لاش بھی برآمد ہو چکی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

غور فرمائیں! قرآن مجید پہاڑوں کو ''اوتاد'' کہتا ہے اور فرعون کو ''ذی الاوتاد'' کہتا ہے تو دو باتوں کو ملانے سے منطقی نتیجہ ہے ''فرعون پہاڑوں والے'' یعنی وہ فراعنہ مصر جنہوں نے پہاڑوں جیسے اہرام اور مقبرے بنا دیئے تھے۔

آج یہ ترجمہ ممکن ہے کہ علوم عصری میں یہ بات واضح ہو چکی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے اگرچہ 1902ء سے قبل وہی ترجمہ ممکن تھا جو ہوا یہ ہمارے علوم عصری کی نارسائی تھی ورنہ قرآن مجید کے الفاظ میں، رب العالمین کے کلام میں تو یہی حقیقت جھلک رہی تھی جو آج عیاں ہو کر سامنے آ گئی ہے۔

کلام الٰہی میں بڑی بڑی حقیقتوں کا سادہ اور چودہ صدیاں قبل مروجہ الفاظ میں بیان اسی ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شایان شان ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

اسی لفظ ''رائی'' پر غور فرمایئے اس میں یہ گنجائش فاطر فطرت اور خالق ارض وسماء نے رکھی ہے کہ رویت بصری اور رویت نظری کے معنی لئے جا سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت اس پر غور فرمائیں۔ ہمارا کام تو جرات کر کے توجہ دلا دینا ہے فیصلہ تو اہل علم ہی کر سکتے ہیں کہ پاکستان بھر کے لئے (یا ہر مسلم ملک کیلئے) ایک کیلنڈر رویت نظری کی بنیاد پر ترتیب دیا جائے۔ اگر یہ مرحلہ بآسانی طے ہو جائے تو خود علماء کرام محسوس فرمائیں گے کہ بنگلہ دیش سے لیکر سعودی عرب کے ممالک تک تقریباً ایک ہی کیلنڈر سامنے آئے گا اور پوری دنیا کی سطح پر امت میں اتحاد و یگانگت کی راہ نکل جائے گی اور کیا عجب کہ یہی اتحاد و یک رنگی امت مرحومہ لئے مستقبل میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور فکری ہم آہنگی کی صورت اختیار کر لے۔ اور یوں

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے۔

اور ___ یہ خواب یقیناً حقیقت بن کر رہے گا یہی مقصود فطرت اور منشاء ایزدی ہے۔

ے آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

ے شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ ءِ توحید سے

علامہ اقبال اور ہم (2)

ڈاکٹر اسرار احمد

(4) اقبال اور قرآن

اب میں اس چوتھی اور آخری بات کے بارے میں کچھ عرض کر کے اپنی گزارشات ختم کر دوں گا جس کے ضمن میں مَیں نے ابتداء میں یہ عرض کیا تھا کہ میرا گمان ہے کہ مجھے علامہ مرحوم کی روح سے ایک خصوصی نسبت حاصل ہے ___ یعنی مرحوم کا تعلق قرآن حکیم سے اس موضوع کا اہم ترین حصہ تو پہلے ہی زیر بحث آ چکا ہے۔ یعنی یہ کہ علامہ مرحوم کی حیثیت فی الواقع ''ترجمان القرآن'' کی ہے اور جیسا کہ خود ان کا دعویٰ ہے ان کا فکر بھی قرآن ہی پر مبنی ہے اور ان کا پیغام بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے لہٰذا اب میں اس موضوع کے بعض ضمنی مگر نہایت اہم پہلوؤں کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کراؤنگا۔

(1) عظمت قرآن کا نشان

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ میرے نزدیک اس دور میں علامہ مرحوم کی شخصیت عظمت قرآن کے ایک عظیم علَم اور نشان (SYMBOL) کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے کہ ایک عام آدمی کا متوارث عقیدے کے طور پر قرآن مجید کو اللہ کی کتاب ماننا اور بات ہے اور ایک ایسے شخص کا قرآن پر وثوق واعتماد اور ایمان و یقین جو فکر انسانی کی تمام

وادیوں میں گھوم پھر چکا ہو اور مشرق و مغرب کے تمام فلسفے کھنگال چکا ہو بالکل دوسری بات ہے۔

سب جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا اصل اور عظیم ترین معجزہ قرآن حکیم ہے اب خود اعجاز قرآنی کے پہلو بے شمار اور بے حد و نہایت ہیں جن کا احاطہ یا احصاء کسی فرد بشر کے لئے ممکن نہیں۔ اور میرے نزدیک اس دور میں اعجاز قرآنی کا عظیم ترین مظہر یہ ہے کہ وہ کتاب جسے دنیا کے سامنے آج سے چودہ سو برس قبل عرب کے ایک امّی شخص (ﷺ وفداہ ابی وامّی) نے پیش کیا تھا آج بھی جبکہ دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے مادی علوم انتہائی بلندی کو چھو رہے ہیں اور علم و ہنر کی دنیا میں انقلاب آ چکا ہے' نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کی جملہ ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے!

اور اسی کی ایک گواہی اور شہادت ملتی ہے علامہ مرحوم کی زندگی سے کہ ایک شخص جس نے انیسویں صدی کے اواخر میں شعور کی آنکھ کھولی۔ پھر یہ نہیں کہ پوری زندگی ''بسم اللہ کے گنبد'' ہی میں بسر کر دی ہو بلکہ وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر علم حاصل کیا، مشرق و مغرب کے فلسفے پڑھے، قدیم و جدید سب کا مطالعہ کیا ___ لیکن بالآخر اس کے ذہن کو سکون ملا تو صرف قرآن حکیم سے' اور اس کی علم کی پیاس کو آسودگی حاصل ہو سکی تو صرف کتاب اللہ سے' گویا بقول خود ان کے ۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

کیا اس دور میں قرآن حکیم کے ''هُدًى لِّلنَّاس'' ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا یہ کافی ثبوت نہیں ہے اس کا کہ قرآن ہر دور اور ہر ذہنی سطح کے انسان کی فکری رہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے؟

(2) واقفِ مرتبہ و مقامِ قرآن

اور اسی کا ایک عکس سمجھئے اس حقیقت کو کہ اس دور میں عظمت قرآن اور مرتبہ و مقام قرآن کا انکشاف بھی جس شدت کے ساتھ اور جس درجہ میں علامہ اقبال پر ہوا شاید ہی کسی اور پر ہوا ہو! اس لئے کہ عظمت قرآنی کا انکشاف بہر حال کسی شخص پر اس کے اپنے ظرف ذہنی کی وسعت اور عُمق کی نسبت ہی سے ہو سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ جب قرآن کا ذکر کرتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ؏ 'قلندر

ہر چہ گوید دیدہ گوید' کے مصداق وہ فی الواقع جمال وجلال قرآنی کا مشاہدہ اپنے قلب کی گہرائیوں سے کررہے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ شنید نہیں' دید پر مبنی ہے' بلکہ ایسے لگتا ہے جیسے ان کا پورا وجود کلام پاک کی عظمت کے بارِگراں سے ''خَاشِعاً مُتَصَدِّ عًا '' ہوا جارہا ہے، عظمت قرآنی کا احساس وادراک ان کے ریشے ریشے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور ان کا ہر بُن مُو قرآن کی جلالت قدر اور رفعت شان کے ترانے گا رہا ہے۔ ذرا گوشِ ہوش سے سنئے: ۔

آں کتاب زندہ، قرآن حکیم حکمتِ اولا یزال است وقدیم (27)
نسخہ ءِ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات (28)
حرفِ اوراریب نے' تبدیل نے آیہ اش شرمندۂ تاویل نے (29)
نوعِ انساں را پیامِ آخریں حاملِ اُو رحمۃٌ لِلعَالَمِیں (30)
رہزناں از حفظِ اور ہبر شدند (1) از کتابے صاحبِ دفتر شدند (31)
آنکہ دوشِ کوہ بارش برنتافت سطوتِ اوزہرۂ گردوں شگافت (32)

اور سوچئے کہ کیا اس کلام میں دور دور بھی کسی آورد کا سراغ ملتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ آمد ہی آمد ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ قائل کا قول نہیں، حال ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ''از دل خیزد بردل ریزد'' کی اعلیٰ مثال ہے۔

اور اسی پہ بس نہیں، آگے بڑھیے اور سنیے: ۔

فاش گویم آنچہ دردل مضمر است ایں کتابے نیست چیزے دیگر است (33)
مثلِ حق پنہاں وہم پیدا است ایں زندہ و پائندہ و گویاست ایں (34)
صد جہان تازہ درآیات اوست
عصر ہا پیچیدہ درآنات اوست (35)

بات کتنی سیدھی اور سادہ معلوم ہوتی ہے، قرآن عام معروف معنوں میں کتاب نہیں یہ اللہ کا کلام ہے اور کلام خود متکلم کی صفت اور اس کی جملہ صفات کا مظہر ہوتا ہے لہٰذا قرآن مثل ذات باری تعالیٰ 'ظاہر' بھی ہے' باطن' بھی اور 'زندہ' بھی ہے' قائم ودائم' بھی۔ پھر نہ ذات باری زمان و مکان کی مقید ہے نہ کلام الٰہی ان کا پابند بلکہ جیسے خود اللہ تعالیٰ اول بھی ہے اور آخر بھی اور زمان و

مکان کُل کے کُل وجود باری میں 'گم' ہیں اسی طرح کلام الٰہی کے بھی 'صیدِ زبوں' کا درجہ رکھتے

(1) جس کی سب سے تابندہ مثال حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

ہیں اور جس طرح اللہ کی شان یہ ہے کہ ''کُلَّ یَومٍ هُوَفِي شَان'' اسی طرح قرآن حکیم بھی ہر دور کے افق پر ایک خورشید تازہ کے مانند طلوع ہوتا رہے گا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کم از کم میرے محدود علم اور مطالعے میں قرآن حکیم کی اس سے زیادہ مدح وستائش ہماری پوری تاریخ میں موجود نہیں۔! اب ظاہر ہے کہ تعریف معرفت کی مناسبت ہی سے کی جاسکتی ہے بس اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ عظمت قرآنی کے کتنے بڑے عارف تھے علامہ اقبال مرحوم! اور یہیں سے سمجھ میں آسکتی ہے یہ بات کہ کیوں اس قدر دکھ تھا علامہ مرحوم کو امت کی قرآن مجید کی جانب عدم توجہ کی روش سے۔ جس کا مرثیہ ان کے کلام میں جابجا موجود ہے اور کیوں ان کا دل حساس خون کے آنسو روتا ہے اس پر کہ مسلمانوں کو عام اس سے کہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے قرآن سے نہ اعتناء ہے نہ دلچسپی! غور فرمایئے کہ کتنی تلخی ہے علامہ کے اس شعر میں کہ:۔

بآیاتش تُرا کارے جُزایں نیست! کہ از یاسین اُوآساں بمیری!! (36)

اور کس قدر صحیح نقشہ کھینچا ہے علامہ مرحوم نے امت مسلمہ کے مختلف طبقات کا:۔

صوفی پشمینہ پوشِ حال مست از شرابِ نغمہ قوال مست (37)

آتش از شعرِ عراقی در دِلش درنمی سازد بقرآن محفلش (38)

واعظ دستاں زن افسانہ بند معنی او پست وحرف او بلند (39)

از خطیب و دیلمی گفتار او باضعیف وشاذ ومرسل کارِاُو (40)

رہے ''فقیہانِ حرم'' تو ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ:۔

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

لہٰذا اب عوام کا تو کہنا ہی کیا، وہ غریب تو ہیں ہی ''کشتہ ملاّئی وسلطانی وپیری'' ان کی عظیم اکثریت بے ذوق بھی ہے اور بے طلب بھی اور بقول علامہ مرحوم۔

صاحب قرآن و بے ذوق طلب! العجب، ثمّ العجب، ثمّ العجب! (41)

اور ظاہر ہے کہ یہاں طلب سے مراد تعمیر خودی کی طلب بھی ہے اور غلبہ حق کی آرزو بھی اس لئے کہ فی زمانہ یہی دونوں نایاب ہیں اور بقول علامہ مرحوم ۔

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

رہی دنیوی آرزوؤں اور طول امل کا جال تو اس میں تو ہر شخص ہی ع ''کہ ہستم اسیر کمند ہوا!'' کے مصداق بری طرح جکڑا ہوا ہے۔

ملت اسلامی کے اس حال زبوں کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں:

پیش ما یک عالم فرسودہ است ملت اندر خاک اوآسودہ است (42)
رفت سوز سینہ تا تار و کرد یا مسلماں مرد یا قرآں بمرد! (43)

(3) داعی الی القرآن

علامہ مرحوم کے نزدیک قرآن سے یہی دوری اور کتاب الٰہی سے یہی بُعد اصل سبب ہے مسلمانوں کے زوال و اضمحلال کا اور امت مسلمہ کے نکبت و افلاس اور ذلت و خواری کا! ''جواب شکوہ'' میں جو بات انہوں نے حد درجہ سادہ الفاظ میں فرمائی تھی کہ:۔ ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

بعد میں اس کا اعادہ نہایت پر شکوہ الفاظ اور حد درجہ دردانگیز اور حسرت آمیز پیرائے میں یوں کیا کہ ۔

خوار از مہجوری(1) قرآں شدی شکوہ سنج گردش دوراں شدی (44)
اے شبنم بر زمیں افتندۂ در بغل داری کتاب زندۂ (45)

اور اب ان کے نزدیک اسی ''کتاب زندہ'' سے وابستہ ہے ان کا 'احیا' اور اسی پر دار و مدار ہے ان کی نشاۃ ثانیہ کا! گویا مسلمانوں کی حیات تازہ کا انحصار ہے ان کے از سر نو حقیقتاً مسلمان ہونے پر اور ان کے مسلمان ہونے کا دار و مدار ہے قرآن حکیم پر ــــــ یا یوں کہہ لیں کہ ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ وابستہ ہے 'احیائے اسلام' سے اور احیائے اسلام وابستہ ہے 'احیائے قرآن' سے جو عبارت ہے مسلمانوں کے اس کے ساتھ صحیح تعلق کی از سر نو استواری سے! علامہ

---

(1) مہجوری کالفظ استعمال کر کے علامہ قاری کے ذہن کو اس آیت کی طرف منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذ وا ھذا القرآن مھجوراً (الفرقان 30)

فرماتے ہیں:۔

اے گرفتار رسوم ایمان تو — شیوہ ہائے کافری زندان تو! (46)
قطع کردی اَمرِ خود را در زُبُر — جادہ پیمائی اِلیٰ شَیء ٍ نُّکُر (47)
گرتو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن (48)
از تلاوت بر تو حق دارد کتاب — تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب (49)

علامہ کے نزدیک علم ہے تو صرف علم قرآنی اور حکمت ہے تو صرف حکمت قرآنی اور یہی علم وحکمت قرآن ہے جو اگر کسی کے ذہن میں سرایت کر جائے اور قلب میں رچ بس جائے تو اس کے باطن میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے جو منتج ہوتا ہے ظاہر کے انقلاب پر اور یہی عمل ہے جو بالآخر ایک عالمی انقلاب کو جنم دے سکتا ہے۔علامہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم وہ کتاب ہے کہ:۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود (50)

اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اس قرآن کے ذریعے ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ:۔

بندۂ مومن ز آیات خدا است — ایں جہاں اندر بر او چوں قباست! (51)
چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش (52)

یک جہانے عصر حاضر را بس است!
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است! (53)

اور کہیں للکارتے اور غیرت دلاتے ہیں کہ:۔

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم — تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم؟ (54)
در جہاں اسرار دیں را فاش کن — نکتۂ شرع مبیں را فاش کن (55)

علامہ کے نزدیک تطہیر ذہن اور تعمیر فکر کا واحد ذریعہ تو یہ ہے ہی کہ ''اسرار دیں'' فاش

کئے جائیں اورنوع انسانی کے سامنے ''نکتہ ہائے شرع مبیں'' کی وضاحت کی جائے ،خودتزکیہ نفس،تصفیہ قلب اورتجلیہ روح کا کارگراورموثر ذریعہ بھی قرآن حکیم ہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

کشتن ابلیس کارے مشکل است　　زانکہ اوگم اندراعماق دل است　(56)

خوشترآں باشد مسلمانش کنی　　کشتۂ شمشیر قرآنش کنی　(57)

اور

جزبقرآں ضیغمی روباہی است　　فقرقرآں اصل شہنشاہی است　(58)

فقرقرآں اختلاط ذکروفکر　　فکرراکامل ندیدم جزبذکر　(59)

لیکن یہ ذکرصرف زبان سے ہی نہیں پورے وجود سے ہونا چاہیے:

ذکر؟ ذوق وشوق رادادن ادب　کارجان است ایں نہ کارکام ولب　(60)

الغرض علامہ کے نزدیک امت کے جملہ امراض کے لئے نسخہ شفا بھی قرآن حکیم ہے اورملت کے تن مردہ میں ازسرنو جان ڈالنے کے لئے آب حیات بھی چشمہ قرآنی ہی سے حاصل ہو سکتاہے۔فرماتے ہیں:

برخورازقرآں اگرخواہی ثبات　　درضمیرش دیدہ ام آب حیات　(61)

می دہد مارا پیام لَا تَخَف　　می رساند برمقام لَا تَخَف　(62)

گوہردریائے قرآں سفتہ ام　　شرح رمزصِبغَۃُ اللّٰہ گفتہ ام　(63)

فکرمن گردوں مسیرازفیض اوست

جوئے ساحل ناپذیرازفیض اوست　(64)

پس بگیرازبادۂ من یک دوجام　　تادرخشی مثل تیغ بے نیام!　(65)

اور

ازیک آئینی مسلماں زندہ است　　پیکرملت زقرآں زندہ است!　(66)

ماہمہ خاک ودل آگاہ اوست　　اعتصامش کن کہ حَبلُ اللّٰہ اوست　(67)

چوں گہردررشتہ اوسفتہ شو!　　ورنہ مانندغبارآشفتہ شو!　(68)

گویااحیائے دین کی جدوجہد ہویاتجدید ملت کی سعی،علامہ مرحوم کے نزدیک اس کا

مرکز ومحور ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ ہے قرآن حکیم اور یہی معنی ہیں قرآن حکیم کی اس آیت کے جو نبی اکرم ﷺ کے طریق کار اور منہج انقلاب کی وضاحت کے ضمن میں معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ قرآن مجید میں چار مقامات پر وارد ہوئی ہے یعنی:

يَتلُوا عَلَيهِم ايَاتِهِ وَيُزَكِيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالحِكمَة

اور یہی ہے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کرنے کا وہ اصل کام(1) جس پر ایک طویل عرصے تک ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بالآخر میری نگاہ جم گئی ہے کہ ''جا ایں جا است''!

آخر میں' میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا اور ساتھ ہی آپ سب کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان گزارشات کو صبر اور سکون کے ساتھ سنا۔ خود میں نے جو محنت اس سلسلے میں کی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کے بقا واستحکام' ملت اسلامی کی تجدید ونشاۃ ثانیہ اور دین حق کے احیاء واظہار(2) ایسے اہم اور جلیل مقاصد کے ضمن میں علامہ اقبال کے فکر اور پیغام کی اشاعت کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے اور پاکستانی عوام میں بالعموم اور نوجوان نسل میں بالخصوص جو بُعد رفتہ رفتہ علامہ مرحوم کی شخصیت اور افکار ونظریات سے پیدا ہوتا جا رہا ہے، حالات کا ایک شدید تقاضا ہے کہ اسے کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ چاہیں تو اسے ''احیائے اقبال'' کا نام دے لیں۔ بہر حال یہ وقت کی ایک اہم ضرورت اور اسی کی ایک حقیر سی سعی ہے جو میں نے کلام اقبال سے یہ مواد جمع کر کے مرتب صورت میں آپ کے سامنے پیش کر کے کی ہے۔

اب اگر میری ان گزارشات سے آپ میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ جذبہ بیدار ہو جائے اور ایک عزم مصمم پیدا ہو جائے کہ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر ایک عالمگیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو، تب تو میں سمجھو ںگا کہ میری محنت پوری طرح سپھل ہو گئی اور گویا ''شادم از کردگئ خویش کہ کارے کر دم!'' اور اگر بدرجہ ادنیٰ میری ان گزارشات سے آپ حضرات کے دلوں میں کلام اقبال کے مطالعے ہی کا شوق بیدار ہو جائے تب بھی میں یہ جانوں گا کہ میری محنت کم از کم ضائع نہ ہوئی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

---

(1) یہ دراصل نام ہے میرے ایک کتابچے کا جو میری اس تحریر پر مشتمل ہے جو میں نے جون 67ء میں 'میثاق' کے صفحات میں لکھی تھی اور جو میری موجودہ سرگرمیوں کے لئے بمنزلہ اساس ہے اس کے اب تک آٹھ ایڈیشن '' اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ برادر عزیز ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ نے کیا ہے جسے مکتبہ انجمن نے شائع کیا ہے۔ (اسرار احمد)

(2) هُوَ الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَه' بِالهُدیٰ وَدِینِ الحَقِّ لِیُظهِرَه' عَلیَ الَّدِینِ کُلِّهٖ (التوبة :33، الفتح:28، الصف:9)

فارسی اشعار کا اردو ترجمہ

(27) وہ زندہ کتاب قرآن حکیم جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی!

(28) زندگی کے وجود میں آنے کے رازوں کا خزینہ۔ جس کی حیات افروز اور قوت بخش تاثیر سے بے ثبات بھی ثبات و دوام حاصل کر سکتے ہیں۔

(29) اس کے الفاظ میں نہ کسی شک و شبہ کا شائبہ ہے نہ ردوبدل کی گنجائش اور اس کی آیات کسی تاویل کی محتاج نہیں!

(30) نوع انسانی کے لئے (خدا کا) آخری پیغام جس کے لانے والے تمام جہانوں کے لئے رحمت قرار پائے (ﷺ!)

(31) اسے یاد کر لینے کے باعث یا اس کی حفاظت میں آ کر رہزن اور لٹیرے رہبرو رہنما بن گئے اور اس ایک کتاب کے طفیل وہ خود بہت سی کتابوں کے مصنف بن گئے!

(32) وہ (کتاب) کہ جس کے بوجھ کو پہاڑ بھی نہ اٹھا سکے اور جس کے دبدبے سے آسمان کا پتہ بھی پھٹ کر رہ گیا!

(33) (اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے!

(34) یہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ (کا کلام ہے لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اورظاہر بھی اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی!

(35) اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے میں بےشمارزمانے موجود ہیں!

(36) (لیکن افسوس کہ اے مسلمان!) تجھے اس کی آیات سے اب اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ اس کی سورۃ یٰسین کے ذریعے موت کو آسان کر لے!

(37) ادنیٰ لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے!

(38) اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں!

(39) (دوسری طرف) واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں خوب باندھ دیتاہے اور اس کے الفاظ بھی پرشکوہ اور بلند و بالا ہیں لیکن معنی کےاعتبار سےنہایت پست اور ہلکے!

(40) اس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) یا تو خطیب بغدادیؒ سے ماخوذ ہوتی ہےیا امام دیلمیؒ سے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف ، شاذ اور مرسل حدیثوں سے رہ گیاہے

(41) کوئی صاحب قرآن ہو اور پھر بھی اس میں نہ جذبہ ہو نہ حوصلہ و امنگ یہ کتنی تعجب خیزاورحیرت آمیز بات ہے!!

(42) ہمارے سامنے ایک پرانا اور گھسا پٹا عالم ہے اور ملت اسلامی اس کی خاک نشینی ہی میں آسودگی محسوس کررہی ہے۔

(43) (مسلمان اقوام مثلاً) مغلوں اور کردوں کے سینے حرارت سے کیوں خالی ہوگئے؟ آیا مسلمان پر موت طاری ہوگئی ہے یا خود قرآن ہی کے حیات بخش سوتے خشک ہوگئے ہیں۔

(44) (اے مسلمان!) تیری ذلت اور رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دوراور بے تعلق ہو گیا ہے لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردش زمانہ کودے رہا ہے!

(45) اے وہ قوم کہ جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے(اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے!) اٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتاب زندہ موجو د ہے! (جس کے ذریعے تو دوبارہ بام عروج پر پہنچ سکتی ہے!)

(46) اے مسلمان! تیرا ایمان رسومات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے اور تو خود کفر کے طور طریقوں کے زندان میں اسیر ومقید ہے!

(47) تو نے اپنی وحدت ملی کو پارہ پارہ کر لیا ہے اور اب ایک خوفناک انجام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے!

(48) (اب) اگر تو(دوبارہ) مسلمان ہو کر جینے کا خواہش مند ہے تو(اچھی طرح جان لے کہ) اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی حیات نو کی بنیاد قرآن پر قائم کرے!

(49) اس کتاب کا حق تلاوت تم ادا کردو پھر جو مقصد و مطلب چاہو حاصل کرلو!

(50) (یہ کتاب حکیم) جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لئے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آ جاتی ہے!

(51) بندۂ مومن آیات خداوندی میں سے ہے اور اس عالم کی حیثیت بس ایسی ہے جیسی اس کے لباس میں ایک قبا!

(52) جب اس کے لباس کی کوئی قبا یعنی کوئی عالم پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک جہان نو عطا فرما دیتا ہے!

(53) عصر حاضر کو بھی بس ایک ایسا ہی جہان نو درکار ہے(جو قرآن سے ماخوذ اور مستنبط ہو!) اے مسلمان اگر تیرے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو معانی کی

گہرائیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہو تو (مجھ سے) یہ راز کی بات حاصل کر لے!

(54) اے وہ شخص یا قوم جسے حامل قرآن عظیم ہونے پر فخر ہے آخر کب تک حجروں اور گوشوں میں دبکے رہو گے!

(55) (اٹھو اور) دنیا میں دین حق کے اسرار و رموز کو عام کرو اور شریعت اسلامی کے رموز و حکم کی تشہیر و اشاعت کے لئے سرگرم ہو جاؤ!

(56) شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا ایک نہایت مشکل کام ہے اس لئے کہ اس کا بسیرا نفس انسانی کی گہرائیوں میں ہے!

(57) بہتر صورت یہ ہے کہ اسے قرآن حکیم کی (حکمت و ہدایت) کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنالیا جائے!

(58) قرآن کے بغیر شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے اور اصل بادشاہی قرآن کے تعلیم کردہ فقر میں ہے۔

(59) جانتے ہو یہ قرآن کا فقر کیا ہے؟ یہ ذکر اور فکر دونوں کے جمع ہونے سے وجود میں آتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ بغیر ذکر کے فکر کامل نہیں ہو سکتا

(60) (لیکن یہ بھی جان لو کہ ذکر کی حقیقت کیا ہے) ذکر اصل میں ذوق و شوق کو صحیح راہ پر ڈالنے کا نام ہے یہ محض زبان اور ہونٹوں کا وظیفہ نہیں بلکہ کامل وجود اور پوری ہستی کے ساتھ کرنے کا کام ہے۔

(61) (اے مسلمان) اگر دوام و ثبات اور قوت و استحکام کا طالب ہے تو قرآن کے سامنے دست سوال دراز کر۔ اس لئے کہ مجھے قرآن ہی کے مخفی چشموں میں آب حیات کا سراغ ملا ہے!

(62) یہ ہمیں بے خوفی کا پیغام ہی نہیں دیتا بالفعل اس مقام تک پہنچا بھی دیتا ہے۔ جہاں نہ خوف باقی رہتا ہے۔(نہ حزن!)

(63) میں نے قرآن کے بحر بیکراں کے موتی بیندھ لئے ہیں اور ”صِبغَۃ اللّٰہ“ کے

اسرار ورموز کی شرح بیان کردی ہے۔

(64) میرے فکر کی یہ بلندی اور گردوں نوردی سراسر قرآن ہی کے فیض سے ہے اور اسی کے طفیل میرے خیالات میں بحر بیکراں کی سی وسعت پیدا ہو گئی ہے!

(65) پس (اگر خدا توفیق دے تو) میرے شراب کے ایک دو جام چڑھا یعنی میرے فکر اور پیغام سے سرشار ہو کر آمادہ عمل ہو جا تا کہ تو شمشیر برہنہ کے مانند چمکنے لگے!

(66) وحدت آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملت اسلامی کے جسد ظاہری میں روح باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔

(67) ہم تو سر تا پا خاک ہی خاک ہیں ، ہمارا قلب زندہ اور ہماری روح تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے۔

(68) (اے ملت اسلامی! اب بھی وقت ہے کہ تو) اپنے آپ کو موتیوں کی طرح قرآن کے رشتے میں بیندھ اور پرولے ۔ورنہ پھر اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ خاک اور دھول کے مانند پریشان اور منتشر (اور ذلیل و خوار) رہ!۔

تبصرۂ کتب

کتاب کا نام _____ حقانی تبصرے

پبلشر _____ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرۃؓ خالق آباد نوشہرہ (سرحد)

صفحات _____ 315 صفحے

قیمت _____ درج نہیں ہے تاہم ماہنامہ القاسم کے خریداروں کو مفت ارسال کی گئی ہے

مولانا عبدالقیوم حقانی علمی اور ادبی حلقوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ موصوف کی درجنوں کتب مذہبی حلقوں میں انتہائی ہردلعزیز ہیں۔ مولانا حقانی صاحب دنیائے اسلام کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے فارغ التحصیل ہیں۔ طالب علمی کے بعد مولانا موصوف نے اپنی مادر علمی میں کافی عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اسی اثناء میں آپ محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے بہت قریب رہے۔ آج کل آپ جامعہ ابوھریرۃؓ کے مہتمم اور القاسم اکیڈمی کے سربراہ ہیں۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین تالیف ''حقانی تبصرے'' مولانا عبدالقیوم حقانی کی تازہ ترین کاوش ہے۔ علمائے حق کے بارے میں ''حقانی تبصرے'' ایک شاہکار انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دراصل یہ ایک ریفرنس بک ہے جس میں علمائے حق کے بارے میں مختلف کتب پر تبصروں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب دراصل موتیوں کی ایسی مالا ہے جو اپنے قاری کو علمائے حق کا مختصر تعارف کرواتی ہے۔

حقانی تبصرے ماہنامہ القاسم کی خصوصی اشاعت ہے جو ہر خاص وعام کیلئے یکساں مفید ہے۔ طباعت کا معیار بہت عمدہ ہے تاہم بعض مقامات پر کمپوزنگ کی غلطیاں پائی گئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ القاسم اکیڈمی پر اپنا خصوصی فضل وکرم فرمائے۔ آمین

میجر (ر) فتح محمد جھنگ صدر

تہنیتی خطوط

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

محترم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ: آپ کا ارسال کردہ پرچہ ''حکمت بالغہ'' موصول ہونے پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ ان حالات میں کہ جب ''امت خرافات میں کھوگئی'' کا منظر ہے، جھنگ جیسے جذبات آلودہ شہر سے ایک سنجیدہ اور فکر قرآنی کے حامل پرچے کے نکالنے کا عزم کرنا بہت ہی قابل ستائش ہے۔

کتنے عجوبے کی بات ہے کہ دنیا میں قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس نے اپنے پڑھنے والوں کو غور فکر پر آمادہ کرنے کیلئے تدبر، تفکر، تفقہ، تعقل کے الفاظ کا بتکرار استعمال کر کے انہیں اہل ایمان کی علامت قرار دیا اور کافروں کو ان صفات سے عاری قرار دیا، آج اسی قرآن کے ماننے والے اسے سمجھ کر پڑھنے کو کسی طرح بھی اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں۔ حتیٰ کہ دینی مدارس کے اندر بھی قرآن ایک میجر مضمون کی حیثیت سے نہیں پڑھایا جاتا۔

دنیا کی معمولی سے معمولی کتاب کو سوچ سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت سمجھی جاتی ہے لیکن ایک قرآن ایسی کتاب ہے جو بے سمجھی میں پڑھنا ہی تلاوت تصور کیا جاتا ہے۔ اہل مذہب میں سے اکثریت ترجمہ سے پڑھنا درست تسلیم کرتے ہوئے بھی اپنا آئیڈیل قرآن کو بے سمجھ پڑھنے کو ہی سمجھتی ہے۔ قرآن نے اپنے آسان ہونے کا بتکرار ذکر کیا ہے لیکن یہاں اہل مذہب کی بڑی تعداد لوگوں کو باقاعدہ ڈراتی ہے کہ یہ ایک مشکل کلام ہے۔ چند دینی مظاہر پر تو بہت زور ہے لیکن زندگی کے معاشی و سیاسی اور تہذیبی و سماجی مسائل میں قرآن سے رہنمائی لینے کی بجائے،

ؔ مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ
اپنے خورشید پر پھیلا دیئے سائے ہم نے

آپ سے گزارش ہے کہ آپ جہاں فکری رہنمائی فرمائیں وہاں قرآن پر عمل کے عملی طریقے بھی بتائیں تاکہ سیکھنے والے قرآن پر عمل کو آسان سمجھ کر اس کو اختیار کریں۔ قارئین کو کچھ کرنے پر آمادہ کرنا، روزانہ ایک دو آیات کا ترجمہ سیکھنا، پڑھے ہوئے حصہ میں سے کسی ایک ہی بات پر ہر ہفتے خود اپنا شیڈول بنانا، اس طرح کا چارٹ کہ سال بعد ایک آدمی قرآن کا عالم بنتا جائے اور عمل میں بھی ڈھلتا جائے۔

فکر قرآن کو عام کرنے کیلئے بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں، اگر آپ انکے کام کا تعارف، انکے تجربات بھی اس کے موضوعات کا حصہ بنائیں تو یہ کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور قارئین کو بھی اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کام کرنے کا طریقہ اور راستہ سجھائی دیگا۔

....

....

والسلام

خدا کرے زور قلم اور زیادہ

عبدالقدوس اعوان

حکمت بالغہ کے اجراء پر یقیناً مدیر انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب اور ان کی ٹیم اس کی اشاعت میں مالی تعاون فرمانے والے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایسے دور میں اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھایا ہے جب طوفان بدتمیزی آیا ہوا ہے۔ جو اسلام کی بنیادیں اکھاڑنا چاہتا ہے مسلمان جو کہ ایک خاص قوم ہے کو ایک عام قوم میں بدلنے کیلئے بے چین ہے ایسے ماحول میں دینی تعلیمات سے مالا مال لوگوں کی آزمائش کا وقت ہے کہ یہ کس طرح اس طوفان بدتمیزی کا مقابلہ کرتے ہیں ''حکمت بالغہ'' کا عملی، علمی اور سیاسی طور پر کس طرح استعمال کرتے ہیں اور اس دور میں جس حکمت بالغہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمان اور مسلم قوت اسلام (پاکستان) کی کس طرح رہنمائی کرتے ہیں اور بخیریت زور قلم سے اس قوم کو طوفان سے بچا کر اسلام کے دامن عافیت میں پناہ دلاتے ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو اس کے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

دعا گو عبدالقدوس اعوان

پروفیسر ظفر اقبال حسین
''شعبہ اسلامیات''(گورنمنٹ ڈگری کالج جھنگ)

جھنگ ایک مردم خیز خطّہ ہے،اس نے ماضی قریب میں جہاں عالمگیر شہرت کے حامل خطیب وادیب پیدا کئے وہاں یہ غیرتِ دینی کی بیداری کا امین اور تحریکِ مدحِ صحابہؓ کے احیاء کا مرکز بھی رہا ہے۔تاہم اس کے باوجود تصنیف وتالیف کا میدان ایک عرصہ سے خالی پڑا تھا اور اس میں چند ایک کے سِوا کوئی گرانقدر کام نظر نہیں آتا۔جبکہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے اس دور میں نئی نسل کو دینی تصورات سے آشنا کرنا اور روشن خیالی واعتدال پسندی کا خوبصورت لبادہ اوڑھے نام نہاد مفکرین کے بے بنیاد نظریات کا ابطال کرتے ہوئے مغرب کی فکری یلغار سے ان کو بچانا بھی علمائے کرام کی اہم ذمہ داری ہے۔اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دینی تعلیمات کو جدید اور سائنٹیفک انداز میں پیش کیا جائے۔الحمدللہ اس سلسلہ میں ملک کے مختلف شہروں میں دینی رسائل وجرائد کثیر تعداد میں شائع ہورہے ہیں،لیکن جھنگ کی سرزمین اس سے تقریباً تہی دامن تھی۔اللہ بھلا کرے انجینئر مختار حسین فاروقی کا جنہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرتے ہوئے نعرۂ قلندرانہ سے جمود کو توڑا اور ایک معیاری اور وقیع مجلّے کا اجراء کیا۔

اب ایک طرف جھنگ کی فضا مذہبی حوالے سے بڑی حسّاس ہے۔اور دوسری طرف انجینئر صاحب ایک منجھے ہوئے خطیب،عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے اور حالات کی رفتار پر گہری نظر رکھنے والے زیرک شخص ہیں،امید واثق ہے کہ جس طرح وہ فرقہ وارانہ موشگافیوں سے دامن بچاتے ہوئے اور گروہی تعصّبات سے بالاتر ہو کر دعوت رجوع الی القرآن کے عمل کو بطریق احسن جاری رکھے ہوئے ہیں۔قرآن اکیڈمی کا قیام،انجمن خدّام القرآن کی تاسیس،تفہیم عربی کے شارٹ کورسز کا اجراء،خطبات ودروس کا ایک باقاعدہ نظام اور بلا امتیاز تمام مسالک کے علماء کا ان کے سٹیج پر نظر آنا اس بات کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں،اسی طرح سابقہ خدمات اور ان کے طرزِ عمل کی بناء پر ان کا یہ خالص دینی،تعلیمی،اصلاحی اور تبلیغی مجلّہ بھی اپنا معیار برقرار رکھتے ہوئے صحافتی سفر کامیابی سے جاری رکھے گا۔ ان شاء اللہ